سالگرہ ۱۳۵۲ نمبر
روزنامہ
صبح دکن
قیوم

جی رگھوناتھ مل بنکر
حیدرآباد دکن
تار کا پتہ "سنگھوی"
ٹیلیفون نمبر (۲۴)
کرسپانڈنٹ (ایجنٹ) مسرس تھامس
کوک اینڈ سنس لمیٹڈ (بنکرز) برائے حیدرآباد دکن
بحری سفر دنیا کے ہر حصہ میں بحری سفر کا اطمینان بخش طریقہ پر انتظام کیا جاتا ہے
فارن انڈان لینڈ بلز واجبی کمیشن پر بمبئی کلکتہ اور مدراس کے علاوہ راست لندن کیلئے بھی ڈرافٹ جاری کئے جاتے ہیں۔
رقومات دنیا کے تمام حصوں میں ذریعہ تار یا ڈرافٹ رقم بھیجی جاتی ہے اور ماہانہ رقومات قانونی احکام کے تحت روانہ کئے جاتے ہیں۔
ضمانتیں و پرامیسری نوٹس تمام قسم کے ضمانت ناموں (پرامیسری نوٹس) کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور انکو امانت رکھا جاتا ہے اور ان پر خزانہ متعلقہ سے سود حاصل کیا جاتا ہے۔
وظیفہ اور منصب خزانہ عامرہ سرکار عالی سے حاصل کرکے کھاتہ داروں کے حسب منشا ایصال و جمع کئے جاتے ہیں۔
کرنٹ اکونٹ (چالو حساب) حالی و کلدار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور سالانہ سود دیا جاتا ہے۔
سیونگ بنک حالی و کلدار ہر دو سکہ جات میں کم از کم آٹھ آنے سے بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور سالانہ سود دیا جاتا ہے۔
فکسڈ ڈپازٹ
شرح سود و قواعد ذریعہ درخواست طلب کئے جاسکتے ہیں
اوور ڈرافٹس
قرضہ دیا جاتا ہے اور چالو حساب میں واجبی شرح سود منظورہ ضمانتوں پر اوور ڈرافٹس جاری کئے جاتے ہیں
ہر قسم کے بنک اور تبادلہ کے کاروبار کئے جاتے ہیں اور کھاتہ داروں کی سہولت کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے

۶۸۶

فہرست مضامین

تصاویر } (۱) شبیہ حضور پرنور اعلیحضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ (سہ رنگی) (۲) شہزادۂ والاشان نواب اعظم جاہ ولیعہد بہادر دام اقبالہٗ (۳) شہزادی درشہوار حضرت دردانہ بیگم صاحبہ (۴) شہزادۂ والاشان نواب معظم جاہ بہادر دام اقبالہٗ (۵) شہزادی نیلوفر حضرت فرحت بیگم صاحبہ (۶) دربار اعلیحضرت نواب میر محبوب علیخاں بہادر آصفجاہ سادس (۷) دربار اعلیحضرت نواب میر نظام علیخاں بہادر آصفجاہ ثانی

آقائے ولی نعمت کی ہر سالگرہ ملک اور اہل ملک کیلئے خوشی و مسرت کا پیام لاتی ہے اور عقیدت و محبت کا وہ پاکیزہ جذبہ جو حیدرآبادیوں کے دلوں میں خصوصیت کے ساتھ موجزن ہے، بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔

ملک کی اس سے زیادہ خوش نصیبی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اسے ترقی اور زندگی بخشنے کیلئے ایک بیدار مغز اور صاحبدل فرمانروا ملا ہو، مملکت دکن کو اعلیٰحضرت بندگانعالی کی ذات گرامی پر فخر ہے کہ اس سرچشمہ فیض کی بدولت وہ ترقی و کمال کی سمت تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اور علم و عمل کی لہر جو ملک کے اس سرے سے اُس سرے تک پھیل رہی ہے اسی سرچشمہ سے رواں ہوئی ہے۔ ہمارا ماضی جتنا شاندار تھا اس سے زیادہ حال امید افزا اور مستقبل تابناک نظر آتا ہے۔ اور یہ سب بندگانعالی کی اقبال مندی، بیدار مغزی او جمہور نوازی کا نتیجہ ہے۔

حضرت اقدس و اعلیٰ کے ظل عاطفت میں حیدرآباد کا مستقبل جس قدر روشن رہے گا اس کا ہر محب وطن کو اچھی طرح اندازہ ہے اور ہماری ریاست کے اعزاز و اقتدار کے استحکام کا سامان بھی عنقریب ہوا چاہتا ہے حیدرآباد کے اساسی مطالبات کی تکمیل اور برار کے استرداد کا اعلان واقعی اہل ملک کیلئے بے انتہا مسرت کا باعث ہوگا۔ غرض ملک میں بیداری اور زندگی کا جو احساس پیدا ہوا ہے اور ترقی کے جو جلوے نظر آرہے ہیں وہ سب حضور پر نور ہی کی حکمرانی کے ممنون احسان اور حیدرآباد کی عظمت و شوکت کو محفوظ رکھنے کے ضامن ہیں۔

اس دفعہ سالگرہ مبارک کی تقریب سے پہلے اہل ملک کی مسرت کو جس خبر نے دوبالا کر دیا وہ حضرت ولی عہد بہادر کے شہزادۂ ارجمند کی ولادت مسعود سے تعلق رکھتی ہے، ملک کے طول و عرض میں جس طرح اظہار مسرت کیا گیا وہ اہل ملک کے جذبۂ عقیدت و محبت کا ثبوت ہے۔

حضور اقدس و اعلیٰ کی یہ انچاسویں سالگرہ ہے جس پر آج حیدرآباد کے ہر گوشہ میں خوشی کا اظہار ہو رہا ہے، صبح دکن گذشتہ پانچ برس سے عقیدت و محبت کے جو مرقعے پیش کرتا رہا ہے ان کو ملک اور بیرون ملک میں بہت پسند کیا گیا، بندگانعالی کے خصوصیت کے ساتھ اس پر جو الطاف شاہانہ مبذول رہے وہ ناظرین سے پوشیدہ نہیں۔ خسرو شیرین سخن اور شاہزادگان بلند اقبال کا تازہ ترین کلام اس دفعہ بھی حسب معمول سالگرہ نمبر کی زینت ہے۔ سالگرہ نمبر کی تیاری کے لئے اب کی دفعہ ہمیں بہت کم وقت ملا مگر اس نمبر کو حضور پر نور کے نام نامی سے انتساب حاصل ہونے کا فخر تھا کہ دو تین ہفتوں کے اندر ہم ملک کے سامنے یہ نمبر پیش کرنے کے قابل ہوئے

ہم آقائے ولی نعمت کی سالگرہ کی مسرت میں محبت و عقیدت کا یہ حقیر تحفہ پیش کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ حضور کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے اور اس سایہ میں ہمیں ملک کی بیش از بیش خدمت کرنے کے مواقع حاصل رہیں۔

وفاکیش

احمد عارف
علی اشرف
} مدیرین روزنامۂ صبح دکن

غزل

از خسروِ شیریں سخن حضور پُر نور اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

جو پیشگاہ خسروی سے سبرس دکن کے سالگرہ نمبر کیلئے عنایت ہوئی ہے

گو وصفِ گل بہ صفحۂ گلزار دیدہ ام ۔ افسانہ از کتابِ رخت ہم شنیدہ ام

ساقی مرا بہ بادِ بہار احتیاج نیست ۔ از چشمِ مست ساغرِ صہبا کشیدہ ام

پرواز عندلیب مبارک بتو صبا ۔ در صیدگاہِ عشق چو مرغ تپیدہ ام

روحِ لطیف و کیف ز انفاسِ بادِ صبح ۔ در جسمِ سرو و لالۂ گلشن دمیدہ ام

وقتِ وصال ز رہِ مہر و فورِ شوق ۔ من مثلِ جام ہم لبِ جانان مکیدہ ام

زاہد چہ داند اینکہ بہ ہنگامِ میکشی ۔ در فصلِ گل چہا گلِ بیخار چیدہ ام

گنجِ سکونِ قلب کہ عثمان نصیب شد

من عافیت ز گردشِ دوران گزیدہ ام

تہنیت بر موقع سالگرہ

از کلکِ گہربار حضورِ پرنورِ اعلیٰ حضرت بندگانعالی متعالی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ

جو میگاہِ خسروی سے صبحِ دکن کو سرفراز فرمائی گئی

مطلع

تجھے یہ جشنِ عشرت خسروِ گیہان مبارک ہو
مبارک ہو مبارک ہر دم و ہر آن مبارک ہو

اوٹھایا رخ سے اپنے شاہدِ مقصود نے پردہ
نگاہِ شوق تجھکو جلوۂ جانان مبارک ہو

نوا سنجانِ گلشن یوں ترنم ریز ہیں باہم
بہارِ سنبل و سرو و گل و ریحان مبارک ہو

شریکِ بزم جو ہیں دورِ ساغر سازگار اون کو
جو ہیں بدخواہ اون کو گردشِ دوران مبارک ہو

مقطع

یہی کہتے ہیں سب تیرے فدائی شادمان ہوکر
دکن کا تخت اکلیل و حشمِ عثمان مبارک ہو

غزل

از شاہزادہ عالی قدر نواب کاظم جاہ بہادر المتخلص بہ کاظم

جو پیشگاہ خسروی سے سرفراز فرمائی گئی۔

مخلص وفا شعار کہ وصفش شنیدہ ام — سفاک و بیوفا و جفا کیش دیدہ ام

مے میخورد حریف ز قرب تو ساقیا — برمن نگر کہ زہر بہ فرقت چشیدہ ام

عشق بتان بسینہ و تسبیح بر زبان — در ہر دو راہ دیر و حرم برگزیدہ ام

دادم قرار و ہوش و خرد ہم سکون دل — رنج و غم و بلا و مصیبت خریدہ ام

از بہر چیدن گل توصیف گلرخان — مضمون ابرو باد و چمن آفریدہ ام

آزاد کن برائے خدا در قفس مبند — صیاد در فضائے چمن پر دریدہ ام

کاظم بفضل داور و از لطف پنجتن

در باغ دو جہاں گل مقصود چیدہ ام

غزل

از شہزادۂ عالی قدر نواب تقی جاہ بہادر المتخلص بہ تقی

جو پیشگاہ خسروی سے صبح دکن کو سرفراز ہوئی

در غم کشان و دلشدگان برگزیدہ ام — ثبت است نقش عشق بہ لوح جریدہ ام

در کام من مبادلب نوشخند تو — گر بر خطت نہ زہر ہلاہل چشیدہ ام

گر بوئے مشک میدہد آہم عجب مدار — آہوئے نافہ ام کہ سمن را چریدہ ام

راحت مرا بدام و نہ در آشیان قرار — آن طائرم ز شاخ سلامت پریدہ ام

تو خط عنبریں کہ کشیدی بگرد لب — من ہم قلم بہ صفحۂ جانے کشیدہ ام

بلبل کنم بعشق چہ یکطرفہ فیصلہ — در شکوۂ تو کم سخن گل شنیدہ ام

ہر چند فکر دور و درازے کنم تقی — تا زلف او ہنوز مگر نارسیدہ ام

غزل

از شاہزادۂ عالی قدر نواب حشمت جاہ بہادر المتخلص بہ حشمتؔ

جو صبح دکن کو پیشگاہ خسروی سے سرفراز ہوئی

غلطاں بخاک صورتِ اشکِ چکیدہ ام
لیکن ز من مترس کہ آہِ کشیدہ ام

آوارہ کرد عشقِ خمِ ابروئے نگار
من در طوافِ کعبہ بہ ہر سو دویدہ ام

ہر غنچہ کرد چاک گریبان بہ جوشِ شوق
من در بہار جامۂ ہستی دریدہ ام

آیم کجا بدست جفا چوں رہا شدم
صیّاد از کمانِ تو تیرِ رمیدہ ام

یوسف کجا و قیمتِ آن دلربا کجا
یک بوسہ با متاعِ دل و جان خریدہ ام

عبد از خرابیم نہ تغیّر پذیر شد
زنہار زرد گشت نہ رنگِ پریدہ ام

نتواں فریب خورد ز نیرنگِ روزگار
حشمتؔ کہ سرد و گرمِ جہاں خوب دیدہ ام

غزل

از شاہزادہ عالی قدر نواب بشارت جاہ بہادر المتخلص بہ بشارتؔ

جو پیشگاہ خسروی سے صبح دکن کو سرفراز ہوئی۔

من چشمِ سرمگینِ ترا تا کہ دیدہ ام
وسمہ بچشمِ نرگسِ شہلا کشیدہ ام

اے رشکِ گل برائے کفِ پائے نازکت
رنگِ حنا خوش است کہ رنگِ پریدہ ام

منقارِ عندلیب نہ یک گل تواں ربود
نرگس صفت بود نگران ہر دو دیدہ ام

پیدا است گرچہ دوریٔ منزل بہ ہر قدم
تاہم بہ شوقِ راہِ طلب برگزیدہ ام

گلچیں صفت بیادِ تو در دامنِ نگاہ
گلہائے نوبہار بگلزار چیدہ ام

آبِ حیات گشت مرا آبِ آتشین
مخمورِ جاودان شدہ ام مے چشیدہ ام

پیشِ نظر چو بود بشارتؔ رخِ نگار
از بہرِ غازہ نافۂ لالہ بریدہ ام

از

از مولوی ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی

تاریخ بتاتی ہے کہ سالگرہ کی رسم کا وجود قدیم الایام میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اہل فنیشیا کی تاریخ میں ابھی اس کا پتہ چلتا ہے اور ابیکال صور جو حضرت داؤد کا ہمعصر اور فنیشیا کا بادشاہ تھا اور اس کے وقت میں بھی یہ رسم موجود تھی۔ ملکہ ڈائیڈ جو اپنے بھائی کے ہاتھوں تنگ ہوکر افریقہ بھاگ گئی تھی اور جس نے سلطنت کارتھیج کی بنیاد ڈالی تھی تو یہ رسم بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی یونان فنیشیا کا مقلد ہے)۔ و نانیوں نے یونان کی تقلید کی اور شہنشاہ جولین کا عہد تو اس رسم کے لئے خاص شہرت رکھتا ہے۔ جلوس نکلتے تھے اور آپس میں تحفہ تحائف کا خوشگوار لین دین ہوتا تھا۔ تمام دفاتر اور کاروبار اس کی خوشی میں بند رہتے تھے آریہ قوم نے اس میں اس قدر غلو کیا کہ اس کا شمار اپنے مذہبی فرائض میں کرلیا اور ہر ہستی و زیستی کی سالگرہ عبادت سمجھ کر ہر سال نہایت دھوم دھام سے منائی جانے لگی۔ جمشید کے زمانہ تک انسان یہ رسم اس روز ادا کرتے تھے جب حضرت آدم جنت حقیقی سے جنت ارضی پر پھینکے گئے تھے۔ اور دنیا کی اپنی حیات کی پہلی سانس لی تھی۔ ذریات آدم کیلئے یہ ایسا مبارک دن تھا جس سے وہ خوش ہو ہوکر جھومتے تھے اور جشن مناتے تھے۔ پوپ ٹیلس فورس نے .... جب اپنے وجود سے مسیحی امت میں اضافہ کیا تو ۱۳۷ء میں اس نے سالگرہ کا رواج دیا۔ ہمارے عربان تمدنی تکلفات سے سینکڑوں برس تک تو بچتے رہے مگر صلیبی لڑائیوں کی وجہ سے جب دو سو برس تک عیسائیوں کے ساتھ یکجائی رہی تو ان میں بھی یہ رسم داخل ہوگئی مغلوں کو تاتاریوں نے سکھایا اور چغتائیوں کو ہندوؤں نے اور اب تو یہ رسم اس قدر عام ہوگئی ہے کہ سلاطین پر کیا منحصر ہے ہر نامور و غیر نامور انسان بھی اپنی سالگرہ منائے بغیر نہیں رہتا اور انسان ہی پر کیا موقوف ہے مبارک و مفید کاموں کی سالگرہ، جنگوں کی سالگرہ، محمد بن محمد قاسم کی سندھ میں داخلہ کی سالگرہ انگریزی راج کی سالگرہ، آئرلینڈ کی آزادی کی سالگرہ، اور نہ معلوم آئے دن کیسی کیسی یادگاروں و ممتاز واقعات کی سالگرہیں منائی جاتی ہیں اور یورپ و ایشیا کی تمام قوموں کی زندگی کا ایک ضروری جزو ہوگئی ہیں۔ جب یہ رسم آئین و دستور کے حدود میں پہنچکر ہم کو وراثت میں بھی مل چکی ہے تو ہم اپنے بادشاہ اعلیٰ اللہ کی سالگرہ کا کیوں نہ پر جوش خیر مقدم کریں جن کی

۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ

کو ۴۹ ویں گرہ پڑے گی، جنہوں نے ۱۳۰۳ھ میں "محبوب محل" کی شاہانہ فضا میں اپنے وجود ذیجود سے عیش و مسرت کی لہر دوڑادی جنہوں نے اپنی عمر کے ۲۷ ویں سال سے قلمرو دکن کے اورنگ سلطانی کو زینت بخشی، جو ۲۳ سال سے تخت حکمرانی پر "حق و انصاف" کی حمایت فرما رہے ہیں جو "ہز اگزالٹیڈ ہائینس" ہیں جو برطانیہ کے یار وفادار ہیں، جو ڈیڑہ کروڑ جانوں کے رکھوالے ہیں، جو اسلام کے سچے پرستار ہیں جو مغلیہ سلطنت کے جانشین و یادگار ہیں جو ۸۲۶۹۸ مربع میل رقبہ کے تنہا مالک و مختار ہیں جن کے "صلح کل" مشرب کا یہ عالم ہے کہ ؎

ہر اک مذہب ہر اک ملت سے ہے یکساں سلوک انکا
کوئی اگر سیکھ لے اس سے جہاں کی پاسبانی کا
تعصب، اجنبیت، اختلاف، مذہب و ملت
نہیں کوئی مزاحم اسکی دریا کی روانی کا

رعیت شاد ملک آباد اور آزاد ہر ملت
ادا حق کردیا شاہ دکن نے حکمرانی کا (حالی)

غالب کا ایک شعر اس موقع پر یاد آگیا جس کے اعادہ کے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا ؎

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

غالب نے اپنے ان دو مصرعوں میں ہندوستان میں بیٹھکر اسلام کی صحیح تعلیم کو بیان کیا ہے اور "ہم موحد ہیں" کے ٹکڑے کو لگا کر مسلمانوں کو انکی بھولی ہوئی تعلیم کی یاد دلائی ہے کہ اسلام نام ہے توحید اور محض توحید کا جو ایام سابق کے تمام عوائد رسمیہ اور عقائد باطلہ کو مٹادینا چاہتا ہے۔ مذہب عبارت ہے اخلاق کی پاکیزگی سے اور کچھ شبہ نہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب نے اسی تعلیم کو دہرایا ہے اور موحدین کو وحدت خیال کے ساتھ رواداری خلوص اور یگانگت کی دعوت دی ہے۔ لیکن یہ اصول اسلام کی اولین خصوصیات میں داخل ہے۔ یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ اسلام کا نام لیوا ہوں اور ایک اسلامی سلطنت سے وابستگی کا فخر رکھتا ہوں بلکہ مجھ کو حضرت بندگانعالی کے اسلامی عادات و اطوار کے مطالعہ نے اس کا ایسا درس دیا ہے جیسے میں اپنے اخلاق کی صحت کے لئے اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہوں، یہ تو خیر ایک بات تھی جو باتوں باتوں میں نکل آئی۔ مقصد یہ ہے کہ غالب کے شعر میں یہ نکتہ بھی پنہاں ہے۔ غالب نے سلاطین اسلام کی رواداریاں پڑھی اور سنی ہی نہ تھیں بلکہ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھی تھیں۔ "پھول والوں کی سیر" شاہجہان آباد" میں جن کی آنکھوں نے دیکھی ہے یا وہ لوگ جنھوں نے ان دیکھنے والوں کی آنکھیں دیکھی ہیں اس واقعہ کو بھول نہیں سکتے جو اسی سیر کے موقع پر ایک مرتبہ پیش آیا تھا بادشاہ اپنے اضمحلال طبع کی وجہ سے برادران وطن کے پنکھے کے جلوس میں شرکت نفرما سکے تھے مگر جب درگاہ کا پنکھا (جو مسلمانوں کے طرف سے اٹھایا جاتا تھا) دھوم دھام سے اٹھایا گیا اور وہ پنکھا "باب ظفر" کے سامنے آکر ٹھہرا تو خدام سلطانی نے کوشش کی کہ بادشاہ سلامت کو بھی پنکھے کے ساتھ حسب رواج درگاہ شریف میں لے جائیں۔ اس موقع پر بادشاہ نے جو جواب دیا

وہ درسگاہ اسلام کا ایک معمولی سبق ہے ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

"ہاں یہ کیسے ہوسکتا ہے جب میں "جوگ
لیا جن" کے نکلنے کے ساتھ نہیں گیا تو
اب اس کے نکلنے کے ساتھ کیسے جاؤں
تمھارے ہندو بھائی کیا خیال کریں گے
کہیں گے کہ مسلمان تھا مسلمانوں کے جلسے
میں شریک ہوگیا۔ جیسا ایک کے ساتھ
کرنا ویسا دوسرے کے ساتھ کرنا۔"

رسم ورواج پرست ہندوستان میں جہاں مختلف مشرب و مسلک کے انسان سانس لے رہے ہیں وہاں بادشاہ کا دامن عافیت کسی قدر وسیع ہونا چاہئے ہمیں اپنی خوش طالعی پر ناز کرنا چاہئے کہ ہمارے بادشاہ (حضرت آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ) جو سلطنت مغلیہ کے سچے جانشین ہیں مذہبی آزادی کے عطا کرنے میں سلاطین سلف سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں بلکہ ہیں تو ممالک محروسہ سرکار عالی کے امن وسکون کو دیکھکر یہ کہوں گا کہ سابقین کا عمل نقش اول تھا اور عہد حاضر کی شاہانہ مرحمت نقش ثانی اور

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

حضرت آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کی سالگرہ وابستگان دولت کے لئے ہر سال نوید مسرت لاتی ہے۔ یہی وہ تقریب ہوتی ہے جس میں خطابات سے سربلند کیا جاتا ہے۔ اور ایسے ہی موقعوں پر شعرا کی سوئی ہوئی قسمتیں بھی جاگ اٹھتی ہیں۔ اور کیوں نہ جاگیں جبکہ سلطان العلوم خود اپنے عہد کے بے بدل شاعر بے مثل سخن سنج و سخن فہم ہیں۔ ایک غزل کے مقطع میں ارشاد ہوتا ہے جو برسوں سے حافظہ میں تازہ ہے اور جس کو عماد السلک مرحوم بھی مزے لے لیکر پڑھا کرتے تھے :۔

شیشہ و جام میں کیا ہے یہ نہ پوچھو عثمان
بیخودی جام میں ہے بیخبری شیشے میں

تصوف نے اگر کسی چیز کا قلع قمع کیا ہے تو صرف خودی کا اور اگر کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑنے کا تہیہ کیا ہے تو صرف انانیت کا۔ صوفیہ خودی کو "عبد و معبود" کے درمیان "حجاب اکبر" سمجھتے ہیں "ترک خودی" صوفیہ کے نہاں اولین مجاہدۂ نفس ہے۔ بیخودی پیدا کرنے کیلئے "کیف وحال" کے ایسے ایسے راستوں سے گزرنا پڑتا ہے کہ ہم اسے سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اس کی شراب حقیقت میں شراب عرفان و سلوک ہے اور یہی وہ شراب ہے جو ترک علائق کی ذمہ دار اور کیف و کم کے اسرار کی حامل ہے جس کا دوسرا نام ہے "بیخودی و بیخبری" اس کا کیا کہنا جسے اس کا ایک جرعہ میسر آجائے یہ حضرت آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ ہی کی شاعرانہ قوت تھی کہ "شیشہ و جام" کی گہرائی میں ڈوب کر سکوت کو ہنگامۂ تکلم سے زیادہ بلیغ کر دیا۔ اشارے کنائے کلام کی جان ہوتے ہیں۔ اور تشبیہات و استعارات اس کی روح۔ ایسے ہی موقعوں پر صراحت زبان رو لیتی ہے۔ اور یہی بلاغت کا اعجاز ہے

دولت و حکومت خدا کا سب سے بڑا عطیہ ہے۔ علمائے شریعت اور صوفیائے طریقت بھی بنی نوع انسان کی وہ چارہ گری نہیں کرسکتے جو ایک "فرمانروا" کی مسیحا نفسی کے لئے مخصوص ہے۔ یوں تو دکن ترقی کے مدارج ایک عرصہ سے طے کر رہا ہے مگر حضرت آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کا عہد اپنے نامور اسلاف سے بدرجہا ممتاز ہے۔ حضرت غفران مکان نے اصلاحات کی داغ بیل ڈالی تھی مگر اس کی تکمیل و تنظیم کا سہرا حکیم السیاست حضرت آصف جاہ سابع ہی کے سر رہا تھا دکن کے مناظر و آثار زبان حال سے اس کا اقرار کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے کہ حضرت آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کا عہد مبارک تاریخ کے صفحات میں ایک قابل رشک زمانہ ہے

ملک یا تو تجارت سے ترقی کرسکتا ہے یا زراعت سے اور یہ دونوں ترقیاں اس وقت تک نہیں ہوسکتیں جب تک اہل ملک تعلیم کے زیور سے آراستہ نہ ہوں۔ بغیر تعلیم کی رہنمائی کے نہ وہ کھیتوں میں ہل جوتنے کا طریقہ جان سکتے ہیں اور نہ تجارت کے اصول سے واقف ہوسکتے ہیں۔ تہذیب و ترقی کا یہ راز پیر و مرشد کی ...... وسعت نظر سے کیونکر پوشیدہ رہسکتا تھا، حضور اقدس نے اس کو نہ صرف معلوم کیا بلکہ عملی اقدام سے ملک کے دھندلے مناظر کو "مطلع الانوار" بنا کر چھوڑا۔ قلمرو دکن کے قریہ قریہ میں تعلیم کو اس قدر عام کردیا کہ اب ممالک محروسہ سرکار عالی کے دیہات میں بے شمار مدارس کھلے ہوئے ہیں۔ اور ہر ضلع و صوبہ میں کالج قائم ہیں۔ ایک کروڑ کے لگ بھگ سالانہ موازنہ (بجٹ) ہے۔ جہاں تعلیم کی یہ ارزانی ہو اور جس حکمران کا تعلیم کے متعلق یہ شغف ہو اور جو سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے اسی دھن میں لگا رہتا ہو وہ ملک کیوں کر ترقی کی معراج حاصل نہ کرسکے گا

عثمانیہ یونیورسٹی کی تاسیس کر کے "لا وارث اردو" کو یتیمی کے داغ سے بچا لیا۔ اس کے پنہاں جلوؤں کو اجاگر کردیا۔ زندہ زبانوں میں شمار کرادیا۔ اور یوں کیوں نہ کہوں کہ اس کے جسد مردہ کو آب حیات پلا کر نئی زندگی عطا کردی اگر عربی زبان کے نشاۃ کا فخر خلفائے عباسی کو حاصل ہے تو حضور انور نے ہندوستان کی اس ہمہ گیر زبان کی سرپرستی میں وہ کچھ کیا جو صدیوں میں بھی نہ ہوسکتا تھا۔ اب اردو کو حق ہے کہ اپنے بلند پایہ سرپرست و مربی کی "حمایت" میں ہمعصر زبانوں کے مقابل اپنی علمی وسعت پر جس قدر چاہے ناز کرے۔ یہی سبب ہے کہ "دور عثمانی" "ہارون و مامون" کے ایام حکومت کی یاد دلا رہا ہے دنیائے اردو پر اعلیحضرت بندگانعالی کا یہ ایسا مستقل احسان ہے۔ جس کو آنیوالی نسلیں بھی شکر گزاری کے ساتھ یاد کریں گی۔

اعلیحضرت بندگانعالی نے بیشمار جواہر علم و ادب کو پرکھنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے اس لئے سلطان العلوم کی دور رس نگاہوں سے یہ حقیقت نہاں نہ رہ سکتی تھی کہ علوم و فنون کی ترویج و تعمیم کچھ اپنی ہی زبان میں بہتر ہوسکتی ہے۔ اسی بنا پر تالیف و تراجم کا محکمہ قائم فرمایا اور "بیت الحکمۃ" کی یاد تازہ کردی فلسفہ و منطق اور تاریخ و سائنس ایسے علوم کو اپنی زبان میں منتقل کرا کے طلبہ کے اذہان میں قبولیت کا مادہ پیدا کردیا، آسان و سیدھا راستہ دکھلا دیا۔ فارغ التحصیل بنا کر ممتاز یونیورسٹیوں سے ٹکرا دیا۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ ابھی عثمانیہ یونیورسٹی کی عمر کیا ہے مگر اس سن کی بے باکیاں دیکھئے کہ یہ ابھی سے اپنی "کامیاب شوخیوں" کے لئے ہند تو ہند یورپ میں بھی مشہور ہوگئی۔ یہ سب کچھ اعلیحضرت مد ظلہ ہی کی تعلیمی عشق کے کارنامے ہیں۔

صنعت و حرفت کا بھی دکن میں چرچا ہے یونانی طبابت کو بھی حضرت اقدس و اعلیٰ ہی نے

زندہ کیا ہے، سامان تجارت کی درآمد برآمد اور سفر کی سہولتوں کی غرض سے حدود دکن میں ریلوں کی وسعت بھی اسی مبارک عہد میں ہوئی ہے۔ اور ریلوں پر سلطنت آصفیہ کا مالکانہ اقتدار بھی اسی مبارک عہد کی یادگار ہے آرائش بلدہ کا کام بھی اسی نفاست پسند عہد میں شروع ہوا ہے۔ بلکہ ارحوض سے جیسی چوڑی سڑکیں اور دورویہ پتھر کی شاندار دوکانیں ایک سانچہ میں ڈھل کر بنتی جا رہی ہیں وہ اگر ایک اجنبی ہندوستانی مسافر کو پہلی نظر میں بمبئی کا دھوکا دیدیتی ہیں تو یوروپین سیاح کے لئے یورپ وامریکہ کے بازاروں کی زیب وزینت کا سماں دکھاتی ہیں۔ عثمان ساگر، حمایت ساگر، اور نظام ساگر پر کروڑوں روپیہ اسی عہد میں بہایا گیا ہے۔ اور قحط کی دارو گیر سے زرعی مزدوروں کی حفاظت اسی عہد کی منت پذیر ہے۔ نظام ساگر کو اگر دکن کا سمندر کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا جو سینکڑوں ایکڑ زمین پر پھیل رہا ہے اور دکن کی زراعتی حصہ کو سرسبز و شاداب رکھنے کا ضامن ہے۔

ڈرینیج کی اسکیم بھی حضرت بندگانعالی ہی کی مرحمت کا نتیجہ ہے اور ہندوستان میں یہ فخر عروس البلاد دکن ہی کو حاصل ہے کہ اس نوع سے یہ کام انجام دیا جا رہا ہے۔

حضرت اقدس واعلیٰ کی جائز فیاضیاں دکن ہی کے حدود میں محدود نہیں ہیں بلکہ عرب وعجم اور ہند و یورپ میں بھی اس کے آثار آپ کو قدم قدم پر ملیں گے۔ مدینہ منورہ میں مدرسۂ عثمانیہ علیگڈھ میں مسلم یونیورسٹی کی بیشتر فلک نما عمارتیں کس کی فیاضی سے کھڑی ہیں۔ بنگال کی ٹیگور یونیورسٹی میں مشرقی علوم کا درجہ کس نے قائم کیا ہے۔ الہ آباد کا مدرسہ سبحانیہ، اجمیر شریف کا مدرسہ معینیہ عثمانیہ، ریاست کوہاپور کا دینی مدرسہ اور وانمباڑی کا عثمانیہ کالج یہ سب حضرت آصفجاہ سابع ہی کی تعلیمی فیاضیوں کا سبق پڑھتے ہیں۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے دریافت کیجئے دارالمصنفین اعظم گڈھ سے پوچھ لیجئے، دیوبند کے دینی مدرسہ کی سیر کر لیجئے، ندوہ کی در و دیوار سے آواز بازگشت سن لیجئے۔ خزان رسیدگان ملک بہار سے مل لیجئے۔ سیلاب زدگان احمد آباد کی خانہ ویرانیوں پر نظر ڈال لیجئے۔ ان کے اجڑے ہوئے چمن کو حضرت بندگان عالی ہی کی انسانی ہمدردیوں نے سرسبز کیا ہے۔ مسجد نبوی کی تعمیر اور مرمت کے لئے لاکھوں روپیہ کس نے منظور فرمایا؟ نہ معلوم اس قسم کی کتنی قومی درسگاہیں اور دنیا کے شریف انسان ہیں جو حضرت آصفجاہ سابع ہی کی شگفتگی تعلیم اور انسانی ہمدردیوں سے اپنی زندگیوں میں صحت و اطمینان کی سانسیں لے رہے ہیں، یہی وہ چشمۂ فیض ہے جس سے ہر مذہب و ملت اور ہر سپید و سیاہ یکساں سیراب ہو رہا ہے۔ بیدار مغزی کا یہ عالم ہے ہر صوبہ و ضلع تو خیر تحصیلوں سے بھی واقف ہیں۔ رعایا کے دکھ درد سے متاثر ہوتے اور اولاد کی طرح محبت رکھتے ہیں، پست و بلند کا "دربار عثمانی" میں کوئی فرق نہیں، رنگ و نسل کا کوئی امتیاز نہیں "صلح کل" کا دریا بہتا رہتا ہے۔ اور ہر ایک کو پیاس بجھانے کی آزادی ہے۔

حضرت آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہ کی تعلیمی حالت سن لیجئے۔ کسی یونیورسٹی نے درس نہیں دیئے ہیں۔ یورپ کی سرد ہواؤں نے روشن خیال نہیں بنایا ہے۔ اسی مشرقی طریقۂ تعلیم کو حضور کی تربیت کی عزت حاصل ہے۔ اور تلنگانۂ دکن ہی کی آب و ہوا نے "شاہی" کے اصلی گر سکھائے ہیں۔ عربی کے فارغ التحصیل اور قلم برداشتہ عربی لکھنے پر قدرت رکھنے والے۔ عربی کا ایک خط میری نظر سے بھی گزرا تھا۔ جو مرحوم عماد الملک بلگرامی کو حضرت بندگان عالی نے تحریر فرمایا تھا، مرحوم بلگرامی، اعلیٰحضرت کی عربیت کا اعتراف کرتے تھے، فارسی میں کئی دیوان مرتب ہو چکے ہیں اور ایک تازہ دیوان عنقریب شایع ہونے والا ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ فارسی کا مذاق ہماری بے توجہی سے مفقود ہو رہا ہے۔ بندگان عالی کی ان جواہر پاشیوں سے اس زبان کے نشوونما کو جو فائدہ پہونچ سکتا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہ ہوگا۔ انگریزی کے بہترین انشا پرداز ہیں۔ اور اردو کے تو بادشاہ ہیں۔ جن قدر فرامین ملک کے نظم و نسق اور عزیز رعایا کی صلاح و فلاح سے متعلق جاری ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے الفاظ کی بلند ترتیب اور جملوں کی غیر معمولی نشست جو حضرت بندگان عالی کے قلم مبارک سے بیساختہ نکلجاتے ہیں۔ انشاپردازی کی جان ہوتے ہیں۔ خود سمجھ لینا آسان ہے مگر دوسروں کو سمجھانا دشوار کام ہے یہ حضرت بندگان عالی کی وسعت نگاہ اور دست گاہ تامہ ہے۔ کہ اہم سے اہم مسائل کو باتوں باتوں اور حد درجہ دلپذیر انداز بیان میں حل فرما دیتے ہیں۔ عبارت تعقید سے پاک اور بیان الجھاؤ سے خالی ہوتا ہے۔ ان شاہی تحریروں کا مطالعہ کرنے والا جو طرز بیان سے واقف ہو گیا ہے، پہلی نظر میں کہہ اٹھتا ہے کہ یہ ادبی جواہر پارے اس کے قلم سے نکلے ہیں۔ جس کا انوکھا طرز بیان اپنے رنگ میں مجتہدانہ شان رکھتا ہے یہ فیضان فطرت ہے کہ حضرت اقدس واعلیٰ کو قدرت نے شاہانہ تدبر و فہم کی عدیم المثال استعداد کے ساتھ علم و ادب کا ایسا صحیح مذاق عطا فرمایا ہے جس کی نظیر ملنی ناممکن ہے۔ باوجود ان مشاغل کے اخبارات بھی مطالعہ میں رہتے ہیں اور رسائل و کتب بھی۔ مصنفین و مولفین کی دماغ سوزیوں پر بھی ناقدانہ نظریں پڑتی رہتی ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی مصروف زندگی ان تمام مراحل سے کیونکر عہدہ برآ ہو جاتی ہے۔ میں تو اس کو "فضل الٰہی" اثر سمجھتا ہوں۔

حضرت آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہ فاتح ایران کی طرح بادشاہ بھی ہیں اور نفس کشی و سادگی میں "فقر حیدری" کو زندہ کرنے والے بھی غرضکہ ذات شاہانہ ایک وقت میں "انسانی تکمیل" کی مجسم تصویر ہے۔

ایک اخبار کے محدود صفحات میں اس کی کہاں گنجایش کہ جاں نثار ہوش حضرت اقدس اعلیٰ کی زرین حیات کے کارنامے جی کھول کر بیان کر سکے۔ کسی دوسرے وقت کے لئے اپنے خدا سے توفیق چاہتا ہے اور غالب کا ہمنوا ہو کر اس دعا پر ختم کرتا ہے کہ:—

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

از

از نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

ہر سال یونہیں سالگرہ آکے دعا دے ۔ اے شاہ دکن عمر خضر تجھ کو خدا دے

جو سال گرہ آئے کرے عقدہ کشائی ۔ جو عقدہ کھلے رشتۂ امید بڑھا دے

یہ جشن مبارک ہو زمانے کو مبارک ۔ ہر آنکھ کو ٹھنڈا کرے ہر دل کو مزا دے

وہ صفحۂ عالم پہ کھچے نقش دل آویز ۔ جو مانی و بہزاد کو تصویر بنا دے

اس بزم کا پروانہ رہے طائر اقبال ۔ اس باغ میں جو پھول کھلے بوئے وفا دے

دریا دلئ شاہ بنے ساقئ محفل ۔ بھر بھر کے وہ دے جام کہ پیمانوں کو چھلکا دے

دینے سے خزانہ کبھی ہوتا نہیں خالی ۔ بندوں کو جو دے راہ خدا اسکو خدا دے

وہ شہرۂ ہمت ہو کہ سائل کی طرح سے ۔ حاتم بھی در شاہ پہ آ آکے صدا دے

وہ بات ہو پیدا در سلطان کے گدا میں ۔ گنجینۂ قارون بھی جو ہاتھ آئے لٹا دے

دست کرم شاہ بنے دست مسیحا ۔ وہ جس کو دوا دے اُسے اللہ شفا دے

وہ شان ریاست ہو وہ عنوان سیاست ۔ بیدار کرے بخت کو فتنوں کو سلا دے

قوت وہ حکومت کو ہو تائید خدا سے ۔ دشمن سر اٹھائے تو نگاہوں سے گرا دے

عالم میں ہو چرچہ شہ عثمان کو ملی ہے ۔ تدبیر ارسطو کی سکندر کے ارادے

تیور سے عیاں دبدبۂ شیر الہیٰ ۔ شیروں کے اڑیں ہوش اگر آنکھ دکھا دے

لشکر کی وہ زینت ہو کہیں چرخ و زمیں بھی ۔ انجم ہیں سوار اس کے گل و لالہ پیادے

زیر علم شاہ رہے قاف سے تا قاف ۔ ہر ملک میں کوس لمن الملک بجا دے

گویند جلیل اہل زمانہ کہ دریں عہد

ہر دست رسیداست بدامان مرادے

از جناب قاضی عبدالغفار صاحب بی۔اے سابق اڈیٹر "جمہور"

زمانہ کے انقلابات نے سلطنت آصفیہ کا نام "ریاست ہائے ہند" کی فہرست میں شامل کردیا ہے لیکن ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ دولت آصفیہ برخلاف تمام دوسری ہندوستانی ریاستوں کے ایک خودمختار اور آزاد سلطنت کی حیثیت سے برطانیہ عظمیٰ کی حلیف اور دوست بنی تھی۔ برطانوی حکومت سے اس کے تعلقات عرصہ تک بالکل مساویانہ رہے اور اگر برطانوی مدبرین کی ہمہ گیری اور گردش کے ہمت شکن واقعات نئے انقلابات پیدا کئے ہوتے تو آج بھی سلطنت آصفیہ ایک آزاد اور خودمختار سلطنت کی حیثیت سے برطانیہ عظمیٰ کی حلیف اور معاون ہوتی اس کا نام "اتحادیوں" کی فہرست میں آتا نہ کہ "یاران وفادار" کے ذیل میں!!

بہرحال حالات جو کچھ بھی ہوں۔ آج بھی جس تاجدار کی رعایا بہ لحاظ تعداد مصری قوم سے سوائی۔ افغانیوں سے دوچند۔ ایرانیوں سے ۵۰ فی صدی زیادہ عرب کے مقابلہ میں ڈہائی گنی اسکاٹ لینڈ سے سہ گنی اور یورپ کی بہت سی چھوٹی چھوٹی خودمختار سلطنتوں سے دہ چند اور سہ چند ہو جس کی قدیم روایات اس قدر عظیم الشان ہوں جس کی تاریخی عظمت کا دامن دودمان تیموری سے بندھا ہوا ہو۔ اس کو برطانوی ہندوستان کی سیاسی اصطلاح میں "رئیس یا والی ریاست" کہنا بالادست مدبرین کی زبان میں کتنا ہی صحیح سمجھا جائے لیکن تاریخ کی نظر میں مقبول نہیں ہوسکتا سلطنت آصفیہ کی ڈیڑھ کروڑ آبادی اور وارث تخت وتاج آصفیہ کی ڈیڑھ کروڑ رعایا کا شمار اپنے اندر ایک وزن رکھتا ہے جس کو فطرت انسانی جھٹلا نہیں سکتی۔ چاہے سیاست کتنا ہی جھٹلائے۔

جس طرح سلطنت آصفیہ کی عظیم الشان سیاسی حیثیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اس حقیقت مسلمہ سے بھی انکار کرنا ممکن نہیں کہ ممالک محروسہ کے باشندے بلا امتیاز قوم وملت جو محبت وعقیدت شہریار دکن کی ذات شاہانہ سے رکھتے ہیں وہ محض قدرتی اور تصنع سے پاک ہے فطرت انسانی کا یہ ایک خاصہ اور تقاضا ہے کہ وہ ذاتی عظمت۔ اور شخصی اقتدار کی پرستش کرتی ہے وہ ہر ملک اور ہر قوم کے نظام تمدن وسیاست میں ایک ہی ذات کو اپنے جذبات عقیدت ومحبت کا مرکز ومرجع بناتی ہے۔ دنیائے جدید کا فلسفۂ سیاست کتنی ہی موشگافی کرتا پھرے۔ فطرت انسانی کے اس حقیقت کو نہ بدل سکا ہے نہ بدل سکتا ہے۔ شخصی اقتدار کو کیسا ہی لباس پہنا دیجئے اس کو کسی بھیس میں برسر کار لایئے۔ لیکن اصلیت وہی باقی رہتی ہے۔ ملک داری ایک ہی شخص واحد کا کام ہوتا ہے چاہے اس کے گرد وپیش نظم وانتظام کے کتنے ہی مختلف نقشے بنا دئے جائیں "جمہوریت" "دستوریت" "آئینیت" یہ سب اصطلاحیں اپنے ظاہری لباس میں بہت خوش نما اور نظر فریب ہیں مگر نقاب اٹھا کر دیکھئے تو کسی نہ کسی عالی مقام شخصیت کا چہرہ نظر آئے گا!! ملکی سیاست کا دروبست کتنا ہی عظیم الشان ہو۔ امرار اور وزرار کی صفیں کتنی ہی لمبی ہوں مگر اس تمام ظاہری نقشے کے پیچھے دل ودماغ ایک ہی ہوگا اشارہ اس ایک ہی شخص کا ہوگا جو تمام برقی حرکت کا مرکزی نقطہ ہوا کرتا ہے! ترکوں کے جمہوریہ کا اصلی نام مصطفیٰ کمال ہے۔ ....

... افغانیوں کے مجلس نائبین کی روح نادر شاہ ہے اٹلی کی کہ قسمت کا فیصلہ کرنے والا مسولینی ہے جرمنی کے دستور کی باگ کے ہاتھ میں ہے۔ خود انگلستان میں جو دنیا کے آئین ودستور کی "دادی اماں" ہے شہنشاہیت کے تخیل کو برقرار رکھنا ضروری سمجھا گیا۔ اسلام کی تعلیمات کو جو لوگ صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے وہ دستوریت اور جمہوریت کے جدید مغربی تخیل اور جمہوریت سوویٹ کے تخیل سے اسلام کا ڈانڈا ملاتے ہیں اور بلا تکلف دعوے کرتے ہیں کہ اسلام نے شخصیت کو مٹا کر عام جمہوریت کی تعلیم دی۔ اگر تاریخ کی روشنی میں اس دعوے کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے افراد کو انفرادی حیثیت سے تمدنی اور سیاسی حقوق تو ضرور عطا کئے لیکن "شخصیت" کے ناقابل انکار اقتدار سے کبھی آزاد نہیں کیا۔ یہ مرکزیت قرون اولی سے آج تک قائم رکھی گئی ہے اگر یہ مرکزیت نہ رہے تو معاشرت وتمدن وسیاست کا سارا شیرازہ درہم وبرہم ہوجائے سوویٹ روس جو عام اور غیر مشروط جمہوریت کے نظریہ کی انتہائی مثال ہمارے سامنے ہے وہاں ہی دیکھ لیجئے۔ کرلینن اور ٹراٹسکی کی شخصیت ہی سارے ارتقار قومی کا بنیادی مرکز ہے! میں ان لوگوں میں ہوں جو "جمہوریت" "آزادی ضمیر" اور "حقوق شہریت" اور اسی قسم کی ہزاروں مصطلحات کو محض ڈھکوسلا سمجھتے ہیں۔ سلطنت ہو یا کسی امیر یا غریب کا گھر دنیا کا سارا کاروبار کسی ایک ہی شخص کے دم سے چلتا ہے۔ پردہ کے پیچھے یا پردہ کے باہر کسی ایک ہی شخص کا دماغ تمام کل پرزوں کو چلاتا ہے اور اسی ایک کی شخصیت نظام زندگی کا غیر متزلزل مرکز ہوتی ہے یہ سب تمہید اس بیان کی ہے کہ آزادی اور شہریت کے مغربی تخیل نے جس طرح تمام دنیا کے امن وسکون کو غارت کردیا اسی طرح اب یہ فتنہ حیدرآباد میں بھی کچھ کچھ سر اٹھاتا جاتا ہے۔ اور یہاں بھی میں دیکھتا ہوں کہ "حقوق" اور "شہریت"

کی وہی بدہضمی پیدا ہو رہی ہے۔ جس نے مغربی ممالک کی سیاسی تندرستی کو خراب کر ڈالا ہے جو لوگ اس فتنہ کا علاج ان ہی نسخوں سے کرنا چاہتے ہیں جو یورپ میں تیار ہوئے ہیں وہ سب نیم حکیم خطرہ جان ہیں۔ علاج صرف ایک ہی ہے، معالج بھی صرف ایک ہی ہے۔ ایک ہی شخص کی بیدار مغزی رعایا پروری اور معاملہ فہمی نے آج تک باوجود مخالف حالات کے کتنے ہی فتنوں سے دولت آصفیہ کو محفوظ رکھا اور وہی ایک شخص اب بھی نادانوں کو عقل دے گا۔ اور بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتائے گا۔

اسلام اور مغربی دنیا کی سب سے بڑی ٹکر "وطنیت" کے مسئلہ پر ہوئی اور ہوتی رہتی ہے مغرب نے ہی "وطنیت" کو جغرافیہ کے حدود کے اندر محدود کر کے محض "مقامی" بنا لیا لیکن اسلام نے تعلیم یہ دی کہ،

مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

اسی تعلیم کو لیکر دودمان تیموری کے علم بردار کہاں کہاں سے ہندوستان آئے اور یہیں کے ہو رہے خود دولت آصفیہ کے بلند حوصلہ بانی اور ان کے اقبال مند آبا و اجداد بھی سمرقند سے اقبال جہاں بانی اور سطوت شاہانہ کا سرمایہ لیکر آئے اور ہندوستان کو اپنا وطن عزیز بنا کر ہندی بن گئے اسلام کی یہی وہ حقیقی "وطنیت" تھی جس سے مغرب کے نقال اور ناسمجھ عقیدت کیش بے خبر ہیں !! ان کی وطنیت کا تخیل خود ان کی اصلیت سے کس قدر بعید ہے !! سچ تو یہ ہے کہ مغرب کا یہ سیاسی تخیل سب سے بڑی لعنت ہے جو ۱۹ ویں اور بیسویں صدی عیسوی میں بنی نوع انسان پر مسلط کی گئی !!

اس عاجزانہ تبریک و تہنیت کے سلسلہ میں جواب کے کالموں میں پیش کی جا رہی ہے خوشنما الفاظ اور نیازمندانہ عقیدت کا مظاہرہ تو محض ایک رسم ہے لیکن ضروری چیز یہ ہے کہ سلطنت آصفیہ کے متعلق ان اہم امور کی طرف کچھ اشارے کیئے جائیں جن پر ذات شاہانہ اور تاج و تخت آصفی کے مفاد کا ایک حد تک انحصار ہے جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں دنیا کے بالادست اہل سیاست نے تاجدار دکن کی سیاسی حیثیت کو کتنا ہی محدود کر دیا ہو لیکن بحمد اللہ ابھی تاج و تخت دولت آصفیہ کے مالک کی وہ شخصی کشش باقی ہے جو رعایا کی انسانی فطرت کو اس کے آقا کی طرف کھینچتی رہتی ہے

اور یہی ایک عظیم الشان قوت ہے یہ ملک داری کا ایسا گراں قدر سرمایہ ہے جس سے کوئی قوت اعلحضرت کو محروم نہیں کر سکتی۔ برطانوی حکومت کے محکمہ سیاسی میں شاہ دکن محض ایک "والی ریاست" سمجھے جائیں لیکن دنیا کے دفاتر خارجہ میں اور خود اپنے ملک میں۔ اپنی رعایا کے دلوں میں اور تمام مشرقی ممالک میں ذات شاہانہ کا مرتبہ اب بھی بہت بلند اور ارفع ہے۔ خود برطانوی ہندوستان میں ذات شاہانہ کے ساتھ برطانوی رعایا کی عقیدت مندی کے بہت سے ناقابل انکار مظاہرے ہو چکے ہیں خصوصاً ۱۹۲۶ء سے اس وقت تک جبکہ برطانوی حکومت نے دولت آصف جاہی کے در ولبست میں مداخلت شروع کی اور آج بھی جبکہ پھر ایک دفعہ حالات کے بہتر ہونے کی امیدیں پیدا ہو رہی ہیں اعلیٰ حضرت کے متعلق اہل ہند کے جذبات برسر میدان آتے رہے ہیں اور بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ شاہ دکن کے ساتھ ہندوستان کی برطانوی رعایا کی عقیدت مندی خود دکنی رعایا کی عقیدت مندی سے کسی طرح کم نہیں رہی ۱۹۲۶ء میں برطانوی حکومت کی پالیسی کے خلاف ہندوستان میں جس شدت کے ساتھ احتجاج کیا گیا اور جس ذوق و شوق کے ساتھ اعلحضرت کے خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا گیا اس کو فراموش نہیں کیا جا سکتا اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں کسی "دوسرے والی ملک" کے متعلق کبھی ایسے مظاہرے نہیں ہوئے۔ اسی طرح اہل ہند کی جانب سے کسی "دوسرے والی ریاست" کو یہ خطاب پیش نہیں ہوا۔ جو لوگ ندوۃ العلما کے اس جلسہ کا جوش و خروش دیکھ چکے ہیں جہاں اعلیٰ حضرت کے لیے "محی الملت والدین" کا خطاب تجویز ہوا تھا۔ وہی سمجھ سکتے ہیں کہ تاجدار دکن کی شخصیت ہندیوں کے دلوں میں کیا کام کرتی رہی ہے۔ ہندوستان کے علاوہ دنیائے اسلام میں بھی شاہ دکن کی حیثیت ہمیشہ ایک آزاد حکمران کی سمجھی گئی ہے اور یہ تازہ رشتہ محبت جو بہ سلسلہ ازدواج شاہزادگان والاتبار اور خاندان خلافت کے درمیان قایم ہوا وہ بھی بلاشبہ ایک بین الاقوامی اہمیت رکھتا ہے جس کو شاید وہ لوگ پوری طرح نہ سمجھ سکیں جو "وطنیت" اور "شہریت" کے دور

از کار مباحث میں اعلیٰ حضرت کی مسلمان رعایا کو مبتلا کر رہے ہیں اور اپنی نادانی سے اعلحضرت کے اس تدبر کو بدنام کر رہے ہیں جس نے آج سے پہلے سلطنت کے بہت سے مشکل الجھے ایک اشارہ میں ہی!! ہم سب جانتے ہیں کہ کچھ دفعہ پہلے دکن میں ہندو مسلم منافقات کے دروازے . . . کھل گئے تھے اور اندیشہ تھا کہ وہی زہر یہاں بھی نہ پھیل جائے جس نے ہندوستان کی قومی زندگی کو تباہ کر ڈالا ہے لیکن محض اعلیٰ حضرت کا تدبر وہ اسم سحر تھا جس نے چڑھتے ہوئے دریا کو روک دیا! اپنی مسلم اور غیر مسلم رعایا کو یکساں طور پر عزیز رکھنا۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی کا بہت بڑا کارنامہ ہے اور درحقیقت یہ ایک ورثہ ہے جو مغل تاجداروں سے شاہان دکن کو ملا اور شاہان دکن نے اس ورثہ کو آج تک بجنسہ محفوظ رکھا کوئی شخص . . . اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ اعلیٰ حضرت کے عہد اقبال میں مسلم و غیر مسلم رعایا کے جذبات و حقوق کا کس احتیاط کے ساتھ لحاظ رکھا گیا ہے اس موضوع پر ایک دفتر پیش کیا جا سکتا ہے لیکن میرا مقصد کچھ اور ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد جس قدر ضروری اور مفاد سلطنت کے لیے لازمی ہے اسی قدر ضروری اور لازمی اتحاد بین المسلمین ہے ایک عظیم الشان خطرہ یہ پیدا ہوتا جاتا ہے کہ کہیں خود مسلمان رعایا میں فرقہ بندی نفاق اور بغض و عداوت کی آگ روشن نہ ہو جائے اور اگر خدانخواستہ کبھی ایسا ہوا تو وہ دن بہت ہی افسوس ناک ہوگا۔ یقیناً یہ نکتہ اعلیٰ حضرت کے چشم حق بین سے پوشیدہ نہیں۔ اس تمام خمیازہ کا بند ہونا وہی ذات شاہانہ ہے اور وہی ایک ناخن تدبیر اس گرہ کا کھولنے والا ہے بلاشبہ یہ خطرہ فرضی یا ذہنی نہیں ہے ناسمجھی اور ناعاقبت اندیشی کی بہت سی قوتیں برسرکار ہیں اور اس ہنگامہ کا دفاع بھی ذات شاہانہ کے توجہات پر منحصر ہے جو لوگ اس وقت اس قسم کے مسائل کو اپنی زندگی کی بنیاد اور اساس بنا رہے ہیں انکو خبر نہیں کہ ان کا راستہ کس قدر غلط ہے ایک غیر متعلق شخص کی حیثیت سے میرا منصب یہ نہیں کہ میں کسی جماعت کو سراہوں یا کسی جماعت پر الزام رکھوں نہ اس طرح الجھے ہوئے مسائل سلجھا سکتا ہوں صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ بے تعصبی اور رواداری جس طرح اتحاد کا اصول ہے اسیطرح

رعایا کا اصول بھی ہونا چاہیئے اور اس سے تجاوز کر کے سلطنت کے دیرینہ روایات کو آلودہ کرنا ایک بہت بڑی قومی معصیت ہے جب قوموں اور سلطنتوں کے دولت و اقبال کی تعمیر مدنظر ہوتی ہے تو اس تعمیر کے بانی معمار اور مزدور آپس کے جھگڑوں میں اپنی قوت ضایع نہیں کیا کرتے وہ اونی تعصبات سے اپنا دامن بچا کر "قومیت" کے ایک وسیع اور بلند تخیل کو چراغ راہ بناتے ہیں خصوصًا ان حالات میں جبکہ قومی تعمیر کو خراب کرنے والے پوری قوت سے آمادہ تخریب ہوں۔ ہندوستان میں بہت کچھ مٹ گیا جو زندگی کا سرمایہ تھا۔ بہت کچھ فنا ہو گیا جو ہماری قومی آبرو کا ضامن تھا لیکن غنیمت ہے کہ اب بھی اس براعظم کے ایک جنوبی گوشہ میں مغلیہ اقبال و تیموری سطوت اسلامی رواداری و الفاف اور حاکمانہ اقتدار کی تنہا ایک یادگار باقی ہے (کارساز حقیقی اسکو ہمیشہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے) وہ یادگار کنگ کوٹھی میں خدا کا سایہ بنکر اب بھی قدیم روایات کے سرمایہ کو محفوظ کئے ہوئے ہے۔

خدا کا سایہ ترے سر پہ آصف ہفتم
کہ تو ہے ہند میں ملت کا افتخار ابھی

خود اعلیحضرت کے الفاظ میں جو آج سے دس برس پہلے ارشاد فرمائے گئے تھے" دعا کیجئے کہ خدا اس سلطنت کو دنیا کے شر و فساد سے محفوظ رکھے اور اسکو روز افزوں ترقی و سرسبزی نصیب ہو"۔ (آمین)

چلی باد سحر لی سبزۂ خفتہ نے انگڑائی
پکار اٹھی کلی کے غنچوں نے بہار آئی بہار آئی

دکن کی سرزمیں نے آج ایسے گل کھلائے ہیں
کہ حیرت میں ہے عالم وجد میں ہے چرخ مینائی

طرب افزا ادھر مرغان گلشن کی نوا سنجی
چمن آرا ادھر ہے شاہدانِ گل کی رعنائی

ہوائیں خوشگوار اب علم کی چلنے لگیں ہر سو
دلِ بیمار کے حق میں ہوئی گویا مسیحائی

زبانِ حال سے ہے جامعہ عثمانیہ گویا
عروسِ علم کی دیکھے کوئی تزئین و زیبائی

یہ برکت بس اُسی کی ذات سے ہے نام ہے جسکا
شہ عثمان علیخاں جسپہ اک عالم ہے شیدائی

جو سلطان العلوم اُسنے لقب پایا زمانے میں
خوشی بیحد ہوئی میری زباں پر یہ دعا آئی

الٰہی خسرو خاور کا جبتک دور دورہ ہو
رہے قائم یہ مرکز علم کا اور شہ کی دارائی

بلند ایسا ہو قدرت مرتبہ عثماں علیخاں کا
کہ مہر و مہ بھی اس در پر رہیں وقف جبیں سائی

از نواب سر نظامت جنگ بہادر

سابق صدرالمہام سیاسیات

کسی شخص کے ساتھ وفاداری کے یہ معنی ہیں کہ بسا اوقات ایک خیال کے ساتھ وفاداری کیجائے، ایک شخص کے متعلق جو واقعی بہت بڑا ہے اکثر یہی ہوتا ہے اور اس شخص کے متعلق بھی جو ایک عہدہ کی نمایندگی کرتا ہے عموماً ایسا ہی ہوتا ہے ایک بڑے قائد کے ساتھ وفاداری اول الذکر کی پہلی مثال ہے اور ایک بادشاہ کے ساتھ وفاداری دوسرے کی مثال ہے، بادشاہت جو دراصل ایک قابل ترین آدمی کی قیادت تھی جب ایک عہدہ بن گئی اور اکثر اوقات وراثت کی شکل اختیار کرگئی تو اطاعت، وابستگی اور پرستاری کے وہ جذبات جو اولاً ایک زبردست قائد سے متعلق تھے اس عہدہ کی طرف منتقل ہوگئے مرور زمانہ کے ساتھ حب مذہب اور جانبازی نے اس کی امداد و اعانت کی تو اس کی حیثیت پہلے سے بہت زیادہ ارفع و اعلیٰ ہوگئی اور وہ عام تصور میں "ظل اللہ" بن گیا عالم تجرید کی اس منزل تک پہونچنے میں چند صدیاں صرف ہوئیں اور انسانی دماغ کو اس بندھن سے آزاد کرنے کے لئے بھی کئی صدیاں صرف کرنی پڑیں، اب ہم بادشاہت پر اس حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں کہ وہ ایک مملکت کی دستوری مشنری کا مفید اور آرائشی حصہ ہے جنگ عظیم کے اختتام کے بعد چند بادشاہ معزول ہوگئے۔ لیکن ان کے ساتھ بادشاہت کا تصور ختم نہیں ہوا اور خدا جانے یہ کبھی ختم ہوگا بھی یا نہیں۔ یہ ذہن انسانی کا خاصہ ہے کہ وہ آدمیوں کے اجتماع کے ساتھ عظمت و بزرگی کے تعلق کو پیدا کرنے کی بجائے ایک شخص واحد کے ساتھ اس تعلق کو قائم کرتا ہے، یقیناً بہت آسان ہے کہ ایک ہی شخص کی محبت و تحسین کیجائے، اسی کی اطاعت اور عقیدت گزاری کیجائے، دل کو اسی کا پرستار بنادے اور پھر اس کو ایک خیال کی صورت میں مجسم کردے جیسے زمانہ نے تقدس اور تاریخ کے شاندار مناظر نے اپنی عظمت و شوکت حوالہ کی ہے۔ تخیل کی گہرائیوں اور گوشۂ دل کے اس جذبۂ وفاداری کو جماعت جماعت کے ان چند سو افراد کی طرف منتقل نہیں جاسکتا جو کسی ایوان میں بصد تمکین و ناز متمکن نظر آتے ہیں، ممکن ہے کہ ایک قوم کے معاملات کو چلانے اور انجام دینے میں وہ مفید ثابت ہوں، ممکن ہے کہ زمانہ نے ان کی عزت و تکریم کی ہو اور انھی کے ہاتھوں انہیں وہ شاندار دولت بھی نصیب ہوئی ہو جسے ایک مشہور مصنف نے "خدائے پارلیمنٹ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ لیکن آخرکار ان کی حیثیت ایک جماعت ہی کی سی ہوئی جو بقول ایک انگریز حاکم عدالت کے کوئی روح نہیں رکھتی اور نہ عقیدت و وفاداری اور ایثار وہ جذبہ پیدا کرسکتی ہے جو "بادشاہ" کے طلسمی لفظ سے وابستہ رہا ہے۔

وہ منظر کس قدر شاندار اور باعظمت ہوگا جبکہ دو میل تک پھیلے ہوئے انسانوں نے اضطراب و اشتیاق کے ساتھ اپنے شاہ ذیجاہ ملک معظم کی صحت یابی کے بعد ان کی لنڈن میں عزیمت فرمائی پر اظہار مسرت کیا تھا دو میل تک پھیلے ہوئے انسانوں کے دل کتنے اچھے اور نیک تھے پاکیزہ فطری جذبات سے معمور اور اپنے بادشاہ کے لئے پہلو میں دل کا تخت لئے ہوئے! میں اس نظارہ کو سات ہزار میل کے فاصلے سے دیکھتا ہوں میں اسے گزری ہوئی صدیوں کی مدھم روشنی میں دیکھتا ہوں! جذبہ وفاداری کا یہ نظارہ جو ملک معظم کی لنڈن کو واپسی کے وقت نظر آیا ہے کامرانیوں کے اس شاندار دور میں شروع ہوا تھا جبکہ فاتح ولیم نے ۱۰۶۶ء میں ہیسٹنگز کے میدان میں فتح حاصل کی تھی۔ ان دونوں مختلف مناظر اور زمانوں کے درمیان کتنا اچھا دلکش تماشہ ہے! اس ترقی یافتہ عہد میں انسانی خیال کا رجحان کچھ بھی رہے۔ لیکن انسانی دل کی نبضوں کا وہی حال ہے۔ جو اس سے پہلے تھا، یہ ایک تسلی دہ خیال ہے!

قصیدہ

بہ تہنیت سالگرہ مبارک اعلیٰحضرت قدر قدرت بندگانعالی ظل اللہ تعالیٰ

از

(مولوی مسعود علیصاحب محوی بی۔ اے (علیگ) سابق سیشن جج علاقہ سرکار عالی)

جناب مدیر صاحب اخبار صبح دکن زاد العالی قلم

آپکا عنایت نامہ بطلب اشعار وصول ہوا میں اپنے اشعار بطور خود اخباروں میں بھیجنے کا مطلق عادی نہیں ہوں البتہ اگر کسی اخبار کے مدیر صاحب اصرار فرماتے ہیں تو جو کچھ اسوقت موجود ہوتا ہے وہ پیش کر دیتا ہوں جسوقت آپکے اخبار میں سالگرہ اور برازنبر کی اشاعت کا اعلان ہوا تھا اور مصرعہ طرح پیشگاہ اعلیٰحضرت قدر قدرت سے عنایت ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں مین نے دو قصاید لکھنے شروع کئے تھے اور وہ تقریباً تمام بھی ہو گئے تھے اس کے بعد میں بعض ایسے خانگی مصائب میں مبتلا ہو گیا کہ ان پر نظر ثانی وغیرہ کا بھی موقع نہ ملا۔ بہر حال دونوں قصیدہ روانہ خدمت کئے جاتے ہیں برازنبر کے خیال سے جو قصیدہ لکھا گیا تھا۔ اس میں سے بعض اشعار جو اس موقع پر غیر موزوں تھے نکال ڈالے گئے ہیں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو ان دونوں کو اپنے سالگرہ نمبر میں طبع فرمائکر ممنون فرمائیے۔ نیاز مند مسعود علی محوی

دیدنی ہا دیدہ ہم نادیدنی ہا دیدہ است — دیدۂ ما سیر از دید جہاں گردیدہ است

زیں تماشا ہا بسے دیدہ است مرد راہرو — در گزرگاہِ جہاں چوں دیر تر پائیدہ است

ہیچ میدانی کہ ایں گلچین باغ رنگ و بو — در بہار نوجوانی دستہ ہا گل چیدہ است

عمر ہا خوردہ است با یاران شراب حسن و عشق — سالہا در دامن ناز و نعم خوابیدہ است

ہر مئے دیریں کہ ساقی داشت در مینائے جمشید — ہر گل رنگیں کہ سرزد در چمن بوئیدہ است

این مسلمان تانہ و دیرینہ گبر بت پرست — در حریم کعبہ ہم عشق بتان ورزیدہ است

بر دیار دل کہ اکنون ہمیش تاریک و تنگ — آفتاب کامرانی سالہا تابیدہ است

ریشۂ نخل تمنا در گلستان خیال — بارہا پژمردہ گشت و بارہا روئیدہ است

داستانِ عہد گل اے عندلیب اکنون چہ سود — برف پیری بر سواد زندگی باریدہ است

رہرو عمر روان را در ہمین منزل مدام — بار سر افتادہ پائے بارگی لغزیدہ است

بر بساط دہر چندین مہرہا جنبانذ چرخ — چون مژہ برہم زدم آن مہرہا برچیدہ است

پردہ چون افتاد از چشم گمانم شد یقین — کردہ ہا نا کردہ است و دیدہ ہا نا دیدہ است

شمع را کردند قسمت گریۂ شبہای تار — در گناہ اینکہ مسکین یک نفس خندیدہ است

نالہ ہا کرد است عاشق در غم ہجران دوست — ہر کجا مرغ چمن در یاد گل نالیدہ است

عشق خوبان خانہ زاد و احمق و فرہاد نیست — این پسر را مام فطرت بے پدر زائیدہ است

شہرۂ حسن ازل از شورش سودای ماست — گرمی بازار گل از بلبل شوریدہ است

ساقی رندان کجائی، ساغرے پر کن کہ باز — در سر مکیش ہوائے مدح شہ پیچیدہ است

حضرت عثمان علیخاں پادشاہ داد و دین — آنکہ شخص علم و فن را روشنی دیدہ است

گنجہائے بیکران و نقدہائے بے شمار — حق براد پاشید و او در راہ حق پاشیدہ است

تا برآوردہ است دست وجلہ بار از آستین — چشمۂ جود و سخا ہر چار سو جوشیدہ است

ہر کجا بارید ابر فیض عالمگیر او — سبزہ شاداب و نخل بار در روئیدہ است

سر بسر آثار مردی و فتوت دیدہ اند — اندران میدان کہ رخش عزم او پوئیدہ است

جہل را کم کرد قیمت، علم را افزود قدر — در ترازوئے خرد چوں ہر دو را سنجیدہ است

فصل او گردید فرق بیوہ گان را سایبان — اشک از چشم یتیمان لطف او شوئیدہ است

در علوم رتبت پہلو بہ کیوان میزند — از وجودش آنچنان خاک دکن بالیدہ است

در تن خاک است جنبش از دم جان بخش او — آسمان استاد در عہدش زمین جنبیدہ است

خلق آرامیدہ در گہوارۂ امن و امان — چشم او بیدار و چشم فتنہ گر خوابیدہ است

در حساب عمر او یک صفر افزون کردہ اند — معنی جشن گرہ عاقل ہمیں فہمیدہ است

ہر کجا کردہ است مداحش بحق او دعا — نعرۂ آمین و آمین از فلک بشنیدہ است

چون بگردد کلک **محوی** در سخن شکر فشان

در مدیح پادشہ چندین شکر خائیدہ است

از مولانا عبد الحامد صاحب قادری بدایونی

دنیا کی متمدن اور ترقی یافتہ اقوام کا دستور ہے کہ وہ اپنے مشاہیر اور پیشوایان ملت کے ایام ولادت کا زبردست پیمانہ پر جشن مناتی ہیں اور ان ساعتوں میں قائدین کے اذکار سے قوم میں روح حیات پیدا کی جاتی ہے۔ بظاہر یہ دستور تہذیب جدیدہ کا مرتب کردہ سمجھا جاتا ہے۔

اگر ہم اپنے اکابر اسلاف، مشائخین و علما کے دیرینہ معمولات کی اندرونی حقیقت پر فکر کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ ان بزرگوں نے صدیوں برس پہلے بتا دیا کہ تم اپنے روحانی معلمین کی تاریخ ولادت سے پوری طرح سبق حاصل کرو اکثر خا ل میں اس وقت بھی سالانہ اجتماعات کے مواقع پر اہل اللہ کے اذکار و افکار کا درس دیا جاتا ہے اگرچہ اس طرف ہم نے ان تذکرات کو صرف کشف و کرامات کے اندر (جو اپنے اصل کے لحاظ سے ثابت ہیں) محدود کر دیا ہے۔ حالانکہ ان معمولات کی غرض و غایت یہ تھی کہ ان روحانی صحبتوں میں ہم اپنی زندگی کی اصلاح کے لیے بزرگوں کی سیرت و حالات سے اپنے اندر تغیرات پیدا کرتے۔

ہم دعوی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آج جس قدر بھی ملتیں اپنے بزرگوں کا جشن مناتی ہیں انکی حیات کا تعلق کسی ایک خاص دائرہ میں محدود ہو گا۔ اور انکی نمایاں حالت اپنی ہی ملت و قوم کی ترقی میں نظر آئے گی لیکن یہ شرف صرف فرزندان اسلام ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام کی تعلیمات کے تحت سارے جہاں کی فلاح و بہبود کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور بلا امتیاز قوم و ملت خدمات کا فریضہ ادا کیا بلاشبہ وہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے دنیا میں سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔

ان کی زندگی اگر ایک طرف روحانیت کا درس دے رہی ہے تو دوسری جانب دنیوی لحاظ سے بھی جہان کی ہدایت و خدمت میں منہمک ہے۔

زمانہ خیر القرون سے لیکر مسلمانوں کی تیرہ شہنشاہیت کے زمانہ تک مطالعہ کر جاؤ تو اعتراف کرنا پڑے گا کہ ان کا ہر ہر فرد اپنی ایک بے مثال تاریخ اور عدیم النظیر خدمات کا خزانہ ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے۔ وہ اپنی شان امتیازی میں سب سے زیادہ بلند ہیں۔

افسوس ہم نے جہاں اپنی دوسری دولتوں کو پامال کیا۔ اسلامی تاریخ سے بھی بے توجہی شروع کر دی تعلیمات جدیدہ کے نشہ نے اس درجہ مخمور کر دیا کہ ہمیں اپنے بزرگوں کے کارنامے بھی یاد نہ رہے۔ ہمارے سالانہ اجتماع کی بنیادیں بھی غیر ملل کی اساس پر قایم ہو گئیں۔

اگر ہم اپنے اسلاف کی یادگاروں کا صحیح اہتمام کرتے تو بڑی حد تک زندگی میں تغیرات پیدا ہوتے یوم ولادت نبویہ علیٰ صاحبہ التحیۃ کی طرح ہمارا یہ فرض تھا کہ۔

یوم صدیق۔ یوم فاروق۔ یوم عثمان و علی یوم خالد یوم صلاح الدین کا ہر سال اہتمام کرتے اور اپنی سالانہ مجالس میں ان اکابر دامیان کی یاد سے قلوب میں ایمان و مذہب کی قوت پیدا کرتے۔

مقام مسرت ہے کہ اسلامی ہند کی سب سے بڑی اور واحد یادگار مملکت آصفیہ دکن صانہا اللہ عن الشر والفتن کی حدود میں اعلیٰحضرت سلطان العلوم میر عثمان علیخان شہنشاہ دکن کا جشن سالگرہ منایا جا رہا ہے اور اس شخص سے اظہار محبت و عقیدت کا اظہار ہونے والا ہے جس کے قلب میں بارگاہ رسالت کی غلامی و محبت کا قوی جذبہ موجود ہے جس کے پہلو میں اپنے جد اعلی امیر المومنین حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کی الفت تازہ ہے جس کے دماغ میں سطوت فاروقی کا تخیل ہے جو ذی النورین اور حضور مولائے کائنات کے ساتھ سچی عقیدت و عشق رکھتا ہے۔ جو بزرگوں کے نقش قدم پر چلکر ماضی کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ جسکی نگاہیں عالم اسلامی کی راحت و مصیبت کی طرف لگی ہوئی ہیں جو اسلامی سادگی و مساوات کا بہتر نمونہ ہے جس کے شہنشاہانہ ہاتھ ملت بیضا کی معاونت کے لیے ہر آن متحرک ہیں جس کا دماغ عصبیت سے پاک ہے جس کے ملک کی دولت اپنی عیش پرستی پر نہیں بلکہ قوم اور رعایا کی فلاح و ترقی میں صرف ہو رہی ہے اور وہ اپنے ملک کو ترقی کی عمیق شاہراہوں پر لیجا رہا ہے۔

آج دوسرے مالداروں کی دولت اپنے حظ نفس پر خرچ ہو رہی ہے مگر اس کی مملکت کا خزانہ قومی ضروریات کا بیت المال بنا ہوا ہے۔

آج دوسرے والیان ملک مغربیت کے زہریلے اثرات سے متاثر ہو کر مذہبیت کو فنا کر چکے ہیں مگر اس کے قلب و دماغ میں دنیا کے ساتھ دین بھی شامل ہے وہ اگر دنیا کے مسایل میں معلومات کا حامل ہے تو دینی و مذہبی معلومات میں بھی اس کو خاص بصیرت و نظر حاصل ہے۔

آج دوسرے افراد سے خدا پرستی دور ہو رہی ہے مگر وہ خدا کے خوف و خشیت سے لبریز دل لیے ہوئے خدا کے گھر میں ہر ہفتہ چند میبوں کے لباس سے ملبس ہو کر اسلامی سادگی کا بہترین نمونہ اسلامی برادری کے روبرو پیش کرتا ہے۔

دنیا کے موجودہ شہنشاہ مغرب کی تحریک وطنیت کے مکروہ جذبہ سے متاثر ہو کر دوسروں کے لیے اپنی مملکت میں دروازے بند کر رہے ہیں مگر وہ "کل مومن اخوۃ" کی تعلیم پر عمل کر رہا ہے اپنی مملکت میں ہر رہنے والی ملت کے حقوق کا کما حقہ نگران و محافظ ہے اور اس سلسلہ میں یقیناً اس نے شاہان ماضیہ کے صحیح طرز عمل کو از سر نو زندہ کر دیا ہے لہذا اس جشن سالگرہ کا میرے نزدیک ضروری لائحہ عمل یہ ہونا چاہئے کہ تمام مملکت میں ہر جگہ

(بقیہ صفحہ (۲۶) پر ملاحظہ ہو)

مسٹر کے. کرشنا سوامی مدیراج مولف "حیدرآباد پکٹوریل"

میرا یہ مقدس ترین فرض ہے کہ ہمارے آقائے ولی نعمت کی سالگرہ ہمایونی کے مبارک و مسعود موقع پر رعایائے حضور پرنور کی محبت آمیز اور پرخلوص مسرتوں کے اظہار میں اپنے بھائیوں کے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ خدائے برتر و توانا نے تاجدار دکن حضور پرنور کو اپنے ان گنت و بے پایاں نعمتوں سے سرفراز فرمایا جس کے تشکر و امتنان میں میں اس کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں اور یہ میری دعا ہے کہ خداوند ہمارے آقائے ولی نعمت کی درازی عمر و اقبال میں ترقی عطا فرما۔ اس عالمگیر احساس کی بدولت جس کے حضور پرنور حامل ہیں آپ نے اپنے تدبر و فراست سے ملک معظم اور شہنشاہ ہندوستان کے دوستانہ تعلقات و روابط کو دکن کے مشہور و معروف مغلیہ خاندان کے یادگار خاندان آصف جاہی کے ساتھ مستحکم کر دیا ہے۔ یہ دیکھکر میری مسرتوں کی کوئی انتہا نہیں رہتی کہ ہمارے آقائے ولی نعمت نے اپنے قابل اعتماد نمایندے کے ذریعہ ہندوستان جدید اور دیسی ریاستوں کی قسمت کے فیصلہ اور ان کی تعمیر و تشکیل میں قابل احترام حصہ لیا ہے۔ موجودہ نظام حکومت سے بہتر نظام حکومت کا تصور میرے دماغ کی رسائی تک ممکن نہیں جو اس وقت ملک کے حالات کے لحاظ سے یہاں رائج ہے۔ یہ وہ نظام حکومت ہے جس کے ذریعہ ریاست کا فرما روا رعایا کی فلاح و بہبودگی سے انتہائی شغف رکھتے ہوئے اس حیثیت سے حکمران ہے کہ اس پالیسی کو رواج دے جو جماعت بندی کے منفر افرات سے آزاد ہوتی ہے اور غیر تربیت یافتہ اور نہ تجربہ کار انتخاب کنندوں کے تحت نہیں رہتی ہے۔ عہد عثمانی کا موجودہ نظام حکومت تربیت یافتہ مجلس عاملہ کا ضامن ہے

اعلیٰ عہدہ داروں اور قابل ترین اعیان کے عملی ترین خدمات سے ملک کو مستفید ہو رہا ہے

جو ایک قابل ذکر واقع جس پر مملکت آصفی کے ہر فرد کو فخر و ناز ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ کہ اقتصادی اختلال اور کساد بازاری کے تند سیلاب نے عام دنیا کو تہ و بالا کر دیا ہے اور اکثر ممالک کے نظام مالیات کو زیر و زبر کر دیا ہے جس کی وجہ سے اکثر ممالک کی حکومتیں قومی مصارف کی قطع و برید کرنے کے لئے تیار ہیں اور آمدنی کی توفیر اور کساد بازاری کے مقابلہ کیلئے جدید محاصل عاید کر رہی ہیں مملکت آصفیہ ان خود غرضانہ کارروائیوں کے حصول کے بغیر یا مملکت کے تعمیری امور میں مزاحمت کئے بغیر اس قابل ہے کہ ہر سال بڑی تعداد میں توفیر آمدنی کا ذریعہ نکالسکے۔ حضور پرنور کی حکومت اپنے جاں نثار رعایا کے امن و امان آسودگی اور اقتصادی خوشحالی کے اصلاحات کے درخشاں کارنامہ کے لئے مشہور ہے۔ اس سلسلہ میں اعلیحضرت بندگانعالی کا وہ فرمان مبارک اپنے نتائج کے لحاظ سے بہت ہی اہم ہے جس کے ذریعہ آقائے ولی نعمت نے کاشتکار

تا لبعان اراضی کو خود غرض اور بے رحم سرمایہ داروں کے قرضوں سے نجات دلایا ہے ان اصلاحات کے نفاذ و تدوین سے قانونی عدالتوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان اراضیات کی خرید و فروخت کی قطعاً ممانعت کر دی جائے جو شاہی فرمان کے اجراء سے بارہ سال قبل رہن ہو چکے ہیں۔ اس اصلاح سے رعایا کی حقوق کی تجدید ہو گئی جس سے کاشتکاران اراضی کو ان حالات کے تحت بیدخل کر دیا گیا تھا جن پر ان کو کسی قسم کی نگرانی کا حق نہ تھا اسی طرح وہ زمینات جو اس مدت میں رہن کے نذر ہو چکے تھے مرور زمانہ کی وجہ سے کاشتکاروں کے لئے اس سے رہائی حاصل کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ فرمان مبارک کے ارشادات کے مطابق کاشتکاروں کی جائداد میں رہن کی حیثیت سے برقرار رہیں اس سے یہ ہوا کہ مقروض کاشتکار اب سات سال کے اقساط میں قرض ادا کر کے اپنی جائداد کو حاصل کر سکتا ہے۔ اس اعلیٰ قانون کے تدوین و نفاذ سے اعلیحضرت ایک غیر فانی شہرت کے حامل بن گئے ہیں۔

طبقۂ کاشتکار آقائے ولی نعمت کی رعایا پروری کا نہ صرف گہرے دل سے ممنون احسان ہے بلکہ ان فیاضانہ تدابیر اور اولوالعزم ارادوں کا بھی معترف ہے جس کے ذریعہ اعلیحضرت حضور نظام نے کاشتکاروں کی نکبت اور فلاکت کے زمانہ کے مصایب میں اپنی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے مالگذاری میں ایک سال قبل ۶۷ لاکھ روپیہ کی تخفیف کا فرمان صادر کیا تھا۔

وہ پالیسی جس پر حکومت آصفی اراضیات کی پیداوار کے ذرائع کو ترقی دینے کے لئے عمل پیرا ہے ایک ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر بہت کم مل سکتی ہے نظام ساگر جیسے آبپاشی کے لاثانی کاموں نے ملک کے بڑے بڑے قطعات کو بے انتہا برکتوں سے مالا مال کر دیا ہے۔ تنگبھدرا پروجیکٹ جس کو اعلیحضرت کی شاہی منظوری حاصل ہو چکی ہے جب تکمیل کو پہونچ جائے گا تو رائچور کے غیر آباد اراضیات سرسبز و شاداب مزروعات میں متبدل ہو جائیں گے۔

کمپنی سے معاہدہ کے اختتام پر ریلوے کی خریداری ایک مبارک اور نفع بخش قدم ثابت ہوئی ہے۔ اس وقت سے برابر ریلوے کی توسیع کے پروگرام پر عمل ہو رہا ہے۔ اور اس وقت حیدرآباد کی ریاست میں ۱۲۰۰ سو میل تک ریلوے لین چلی گئی ہے اس سے براعظم ہندوستان کے مغرب و مشرق شمال و جنوب میں بے حد آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

سڑکوں کی تعمیر اور ترقی نے رعایائے ممالک محروسہ کی سماجی اور معاشی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے۔ محکمۂ آرائش کے قیام سے حکومت آصفی نے صحیح راستہ پر قدم اٹھایا ہے۔ گذشتہ دس سالوں میں حیدرآباد میں ۱۵۰۰ سو سے کچھ کم جدید شوارع کی

تعمیر کی گئی موجودہ سڑکوں کی تعمیر و اصلاح بڑے بڑے قطعات ملک میں پختہ سڑکوں کی تعمیر میں پانی بہنے کا خاص اہتمام رکھا گیا ہے ملک کے طول و عرض میں موزوں پل اور دو میں کی لاگت سے اُن پر روپیہ کی گئی ہے یہ وہ چیزیں ہیں جن کی بدولت ملک کے ذرائع نقل و حمل میں ایک انقلاب عظیم رونما ہو گیا ہے۔

ارضی نقل و حمل میں ایک ترقی یافتہ قدم ریاست کی ریلوے کے ساتھ موٹر بسوں کا قیام ہے اضلاع و مضافات شہر کی موٹر بسیں جو تقریباً ۵ لاکھ کے مصارف سے خرید کی گئی ہیں ملک میں عام ہو رہی ہیں۔

شہر حیدرآباد کا جدید نظام تمدن قدیم نظام معاشرت کی جگہ لے رہا ہے۔ اعلیٰ صفائی۔ غرباؤں کے مکانات کی تعمیر، سڑکوں باغوں اور کھیلوں کے میدانوں کی تعمیر سے دارالسلطنت کی زینت ہو رہی ہے دارالسلطنت حیدرآباد کے اطراف و اکناف میں ذرائع نقل و حمل کی وجہ سے جدید طرز کے مضافات دکھائی دیتے ہیں۔ مملکت حیدرآباد اپنے نشو و نما اور ارتقا کے دور سے گزر رہی ہے۔ حیدرآباد شہر کا موجودہ رقبہ ۵۳ مربع میل پر پھیلا ہوا ہے اور اس کی آبادی ۵ لاکھ کے قریب ہے اس طرح حیدرآباد ہندوستان میں چوتھا درجہ رکھتا ہے

آزمائشی مزروعات پر کاشت اور مقامی تبلیغ، ندعی اور کسی قسم کے دوسرے مظاہروں سے زراعت کے نشو و نما میں مزید ترقی کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ اور ہندوستان کی بعض کانفرنسوں اور زرعی نمائشوں میں ریاست کی جانب سے نمائندگی

غرکت نے ان تمام حضرات کو اس قابل بنا دیا ہے کہ جدید ترین آلات زراعت کے استعمال سے ملک کی زرعی دولت کے بڑھانے میں حصہ لیں زرعی ترقی کے ساتھ ساتھ صنعت و تجارت کو حضور پُرنور کے ملک کی تیار کردہ اشیاء کے استعمال اور ترغیب سے تقویت پہونچ رہی ہے گذشتہ چند سالوں کے دوران میں دو پارچہ بافی کے کارخانوں کے قیام اور دو دیا سلائی کے کارخانوں کے قیام اور بہت کچھ سے امداد باہمی

مجالس جن کا نشو و نما خانگی تنظیم و الوالعزمی پر ہوا ہے۔ حیدرآباد کی صنعتی و تجارتی بیداری کا ثبوت مہیا کر رہے ہیں۔

دستی صنعت جس کو ملک کی قدیم صنعت ہونیکا فخر ہے۔ حضور پرنور کی حکومت کی ہمدردانہ اور فیاضانہ امداد و معاونت کے بدولت زمانہ کے دست و برد سے تباہ ہو جانے سے بچ گئی اور اب تو یہ محکمہ صنعت و حرفت کی طرف سے ایک صنعت تسلیم کر لی گئی ہے۔ نورباف کاشتکار کا قریبی نزیز

ہوتا ہے اور اس کی محنت کی کمائی اس کے خاندان کی قلیل آمدنی میں چلی جاتی ہے۔ ملک میں پارچہ بافی کے ابتدائی مراحل میں ترقی بسنت گاہوں میں کم محنت کے طریقوں کا پروگرام اور تیار کردہ اشیاء کی بازار میں امداد باہمی کے طریق پر نکاسی نے اہل ملک کی معاشی زندگی میں ایک عظیم ترقی پیدا کر دی ہے امداد باہمی کی تحریک ملک کے کم استطاعت اور قلیل معاش کاشتکاروں اور مزارعین کیلئے ایک بہت بڑی رحمت ہے گذشتہ پندرہ سالوں میں امداد باہمی کی ترقی اور نشو و نما حیرت انگیز طور پر ہوئی ہے اور آج محکمہ امداد باہمی بجا طور پر فخر و مباہات کرتا ہے کہ اس کے تحت حیدرآباد کی ریاست میں ایک مرکزی بنک ۳۲ مرکزی بنک ۲۰۰۰ زرعی انجمنیں اور ۳۶۲ مزارعین کے مجالس اور دوسرے مختلف انجمنیں قائم ہیں جن کی مجموعی تعداد ۴۱۴۲ ہیں ان انجمنوں میں ۴۵۰۰۰ شرکا شریک ہیں اور ۲ ½ لاکھ کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔ امداد باہمی کے برکات کو بعید ترین دیہاتوں مزارعین اور کاشتکاروں چھوٹے چھوٹے صناعوں پر ذات و پات کے ہندوؤں مسلمانوں اور انگریزوں تک پہنچانے کے لئے پروگرام پر سختی سے عمل ہو رہا ہے۔ اس تحریک کے برکات نے بہت سے لوگوں اور صنعتوں کو تباہی سے بچا لیا۔

اس وقت جنگلات کی آمدنی ۲۲ لاکھ کے قریب ہے۔ حیدرآباد اپنی معدنی پیداوار سے غافل نہیں ہے سنگرینی۔ ساستی۔ بونی کے معدنی کانوں سے اعلیٰ درجہ کا کوئلہ فراہم ہوتا ہے شاہ آباد کی سمنٹ کی صنعت گاہ جو ایک اعلیٰ درجہ کی پورٹ لینڈ سمنٹ کا نمونہ ہے ملک کی بہت بڑی ضرورت کو رفع کر رہی ہے

مبارکباد تبقریب سالگرہ ہمایونی

از نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیزؔ

گرہ کا جشن تجھ کو خسرو دوراں مبارک ہو
مبارک ہو مبارک ہو بصد ارماں مبارک ہو

کھلے مینائے مے ہر دم چلے جام و سبو پیہم
یونہیں دائم نشاط و عیش کا ساماں مبارک ہو

بچھے زیر قدم تیرے بساط ارض بے پایاں
شکوہ کوہسار و وسعت میداں مبارک ہو

چلے دائم نسیم فیض بستان ریاست میں
شمیم یاسمین و نکہت ریحاں مبارک ہو

بہے ہر سمت بے کھٹکے ترے انعام کا دریا
نرالا یہ تلاطم یہ نیا طوفاں مبارک ہو

ملے تیرے بہی خواہوں کو آزادی سی آزادی
ترے بدخواہ کو تاریکی زنداں مبارک ہو

عزیزؔ آتی ہے یہ ہر دم صدا ساز حکومت سے
دکن کی سلطنت تجھ کو شہ ذیشاں مبارک ہو

حیدرآباد میں تعلیم کا انتظام نہ صرف وسیع بنیادوں پر کیا گیا ہے بلکہ ایک ایسے طرز پر کیا گیا ہے جس سے اعلیٰ درجہ کے نتائج کے پیدا ہونے کی امید کیجاتی ہے جدید طرز پر جامعہ عثمانیہ کا قیام علمی اور فنی کالجوں اور ابتدائی تعلیم کی توسیع۔ مدارس فوقانیہ اور دیگر اداروں کے قیام نے علوم و فنون کی نشر و اشاعت کیلئے کچھ کم حصہ نہیں لیا ہے۔

ممالک محروسہ کے مفید ترین علاقوں میں طبی امداد و معاونت کی توسیع شہروں و دیہاتوں کی صفائی کا اہتمام پلیگ اور ملیریا جیسے موذی امراض کے دفعیہ کیلئے تدابیر و اصلاحات نے شہری زندگی کو دوبالا کر دیا ہے۔ شہر میں شرح اموات ۵ فیصد کم گھٹ گئی ہے عدلیہ کی عاملہ سے علحدگی کو ملک میں عام طور پر مسرت کی نظر سے دیکھا گیا۔ لیکن ماہرین کا خیال ہے کہ یہ ملک کی ترقی کا زینہ ہے حیدرآباد اپنی عدلیہ کے قوانین کے بہترین نظام کی وجہ سے برطانوی ہند میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

علاقہ زرین لنکی کی واپسی صوبہ برار کی واپسی کے لیے نیک فال خیال کیجاتی ہے اعلیحضرت حضور پرنور کی حکومت ایک شفیق حکومت ہے جس سے اہل ملک طبقاتی رواداری انصاف و عدل اور مذہب کی آزادی سے مستفید ہو رہے ہیں۔

حکومت آصفی کا نظام ڈاک اور سکوں کی نظیر برطانوی ہند میں نہیں ہے حیدرآباد کے صدر محکمہ برقی سے بعض شہروں میں ٹیلیفون کا سلسلہ برقی روشنی اور آبرسانی نے دیہاتوں اور رعایا کی زندگی میں عظیم ترین انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

ان تمام عظیم الشان مقاصد کی تکمیل اور قومیت کی تعمیر میں اس جذبہ کا اندازہ ہر شخص کرسکتا ہے جسکو حضور پرنور نے اپنی حکومت میں پیدا کر دیا ہے ایک ایسی پالیسی ہے جو حضور پرنور کی زمانہ حکمرانی میں آپ کے رعایا کی آبادی ترقی کو آگے بڑھا رہی ہے حکومت آصفی کے باقاعدہ فوج کی جدید طریقہ پر اصلاح و تنظیم جو اس وقت ترقی پر ہے قابل قدر ہے اعلیحضرت کی ریاست کی فوج نے ۱۹۱۴ء میں برطانوی حکومت کی مدافعت میں سرحد میسوپوٹیمیا پر اپنی شجاعت و بہادری کی وجہ شہرت دوام حاصل کر چکی ہے اس لئے زمانہ کے اقتضا کے ساتھ ان فوجوں کی اصلاح و تنظیم جدید طریقہ سے برطانوی فوجوں کے دوش بدوش عمل میں لائی جارہی ہے۔ اور ریاست میں اس قسم کے اصلاحات کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جارہا ہے۔ بیدر میں ہوائی جہاز کے قیام کے امید افزا حالات اور حیدرآباد میں ہوائی جہاز کے کلب کا قیام یہ وہ حالات ہیں جن سے آسانی سے پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ حیدرآباد اپنے اہم معاملات میں ترقی کے دور سے گذر رہا ہے۔

قطعہ مدحیہ و دعائیہ بحضور آصف جاہ سابع سلطان العلوم

خلد اللہ ملکہ و سلطانہ

از مولوی سید ابوالقاسم صاحب سرور

تجھے اے کشور آرا یہ جشن تاجپوشیاں ... مہر سرکار اسرائی افسر تاباں مبارک ہو

بنائے کعبہائے دل ترے معمار نصفت نے ... مبارک ہو تجھے اے دادگر سلطاں مبارک ہو

فضائے دہر گونجے تیرے کوس حکمرانی سے ... تجھے نصفت شعاری کا یونہی اعلاں مبارک ہو

ترا سکہ چلے اقلیم دل میں رات دن پیہم ... ترا خطبہ خطیب دہر کو ہر آں مبارک ہو

وقار ملت بیضا بڑھا اور اپنی کوشش سے ... تجھے ہر دم فروغ نیر ایماں مبارک ہو

بنی سنوری عروس مملکت تیری عنایت سے ... یونہی اس پر تجھے الطاف بے پایاں مبارک ہو

بھریں گوہر سے تو نے سیپیاں امید عالم کی ... زمانہ کو یہ تیری بارش نیساں مبارک ہو

ہے غرق آب گوہر کشتی درویش بیمایہ ... بس ایسا ہی یم الطاف کو طوفاں مبارک ہو

ترے قصر فلک فرسا کی چوکھٹ کو قیامت تک ... نیاز سجدہ ہائے جبہہ شاہاں مبارک ہو

ہے تجھ پر جسطرح سے بارش الطاف ربانی ... یونہی تجھ کو جہاں پر بارش احساں مبارک ہو

بہی خواہان دولت کو مبارک ہو سرافرازی ... عدو سلطنت کو نکبت و حرماں مبارک ہو

پھلے پھولے ترا نخل تمنا باغ عالم میں ... شمیم گل کو تیرے خلق کا اعلاں مبارک ہو

ہمیشہ فتح و نصرت ہمرہ جنباں رہے تیری ... نشاط و بہجت احساں تجھے ہر آں مبارک ہو

سرور اس محرو ذیجود کو اقلیم حشمت میں

ہمیشہ عشرتوں کے جشن کا فرماں مبارک ہو

از علامہ عبد اللہ العمادی ناظر مذہبی دار الترجمہ

سرو قدش داد جا در سایۂ طوبیٰ مرا ‌ ‌ ‌ شہپر جبریل باید تا برد از جا مرا

عرش اعلائے محبت ہیں کہ در عشق ہی ‌ ‌ ‌ بر فراز قاب قوسین است او ادنیٰ مرا

عنکبوتے بس حقیرم لیکن از تمکین عشق ‌ ‌ ‌ کی تواند باز و عنقا کشد از پا مرا

جرعۂ فیض غدیر خم بہ کامم کردہ اند ‌ ‌ ‌ بعد ازیں کارے نہ باشد با می و مینا مرا

چشم مست تا ز ساقی چوں بود کوثر بکف ‌ ‌ ‌ ننگ باد از مستی پیمانۂ صہبا مرا

بامداداں بر فراز چرخ کرسی می نہند ‌ ‌ ‌ تا بیاموزند سبحان الذی اسریٰ مرا

از بہار ایں چمن چشم تماشا بستہ ام ‌ ‌ ‌ تا بکے چشمک زنی اے نرگس شہلا مرا

ساغر اخلاص آصفجاہ اعظم می کشم ‌ ‌ ‌ خوش نیاید ساغرت ای لالۂ حمرا مرا

صولت جمشید و اقبال سلیمان زان اوست

بندگی بر درگہ آصف بود زیبا مرا

انوارِ عثمانیہ

از
مولوی منظر علی صاحب اشہر سابق اڈیٹر اولڈ بوائے

ایک خستہ استخواں جس کو فالج کے حملہ نے ناتوان کردیا ہو بلس اسی کام کا ہوسکتا ہے کہ ایک گوشہ میں بیٹھکر اپنے مالک کی درازی عمر کے لیے دعا کرتا رہے، آج ساعی ہے کہ ملک کی عامہ خلائق کے ساتھ خوشی میں شرکت کرنے کے لیے آگے بڑھے۔

بنازم بہ بزم محبت کہ آنجا — گدائے بہ شاہے مقابل نشیند

والہتگان دولت سے نہیں اس موقع پر صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حضور پر نور کے محاسن کے ذکر کے لیے کئی مجلدات کی ضرورت ہے پورا صبح دکن ان کے اظہار کے لیے کافی نہیں ہوسکتا یہاں خاکسار کو صرف فرلضیۂ دعاگوئی کی تکرار مقصود ہے آپ بھی ہمارے ساتھ شکرانہ سجدوں میں مشغول ہوں۔

می نہ دانم تا بہ محشر اعتبار سجدہ چیست — این قدر دانم کہ ہیچ است و جبیں زا و من است

حضور پر نور کی شاہانہ زندگی کی سب سے پہلی چیز جس کو ہم سب روزانہ دیکھتے ہیں حضور کی سادگی ہے، اور اسی سادگی اور حضور کی نیک نفسی کی بدولت آج ارجمندیاں حضور کی جانب بڑھ رہی ہیں، اس لیے نہیں کہ کوئی ارجمندی حضور کے لیے ارجمندی ہے بلکہ محض اس غرض سے کہ ارجمندی کو حضور پر نور سے نسبت خاص حاصل ہوجائے۔

یہ صرف حضور پر نور کی نیک نفسی ہے کہ حیدرآباد کی کھوئی ہوئی چیزیں حیدرآباد کو واپس مل رہی ہیں۔

حضور پر نور جس روز سے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے ہیں رعایا نوازی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے اور عزیز رعایا کے جن مسائل نے حضور کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا غور کامل کے بعد ان کا مناسب تصفیہ فرمایا اس میں امراء اور عامتہ الناس کی خصوصیت نہیں ہے اصولاً امراء سلطنت اور حکومت کی قوت ہوتے ہیں اور حضور پر نور کے نامور سلسلۂ اجداد میں اس طبقہ کی صلاح و فلاح سے ہمیشہ دلچسپی کا اظہار کیا گیا ہے۔ خود حضور ریاست کے امرا سے شگفتہ تعلقات رکھتے ہیں باوجود اس کے کافتہ الناس کے حقوق کو فراموش نہیں فرماتے۔

حضور پر نور کی اس خصوصیت کو جب ہم طبقۂ علما و صوفیہ پر اثر انداز پاتے ہیں۔ اور حضور ان کی مجلسوں میں رونق افروز نظر آتے ہیں تو بے اختیار دل سے دعا نکل جاتی ہے امرار ملک اور عامتہ الناس کے ساتھ ہی صاحبان فضل و کمال کی قدر افزائی حضور کے لوازم سلطنت میں داخل ہے آپ دیکھیں گے کہ جہاں حضور پر نور نے ترکی، ایران اور افغانستان کے سابقہ والیان کے عزت و وقار کے لیے خوش گزرانی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے سامان مہیا فرمائے وہیں حجاز و عراق اور شام و فلسطین کے شرفا و صلحا کو فراموش نہیں کیا ہندوستان کا چپہ چپہ اور دکن کا ذرہ ذرہ حضور کی علم پروری کی گواہی دے رہا ہے۔ سمندر کی لہریں اور میدانوں کے ذرے شمار کرتے ہوئے آپ بیرون ہند جائیں گے تو آپ کو ہر جگہ حضور کی علم دوستی کے ابھرے ہوئے نشانات ملینگے۔

تاریخ عرب میں عہد عباسیہ کے اندر آپ کو ٹمٹماتے ہوئے چند چراغ نظر آتے ہیں۔ خلیفہ مامون الرشید کا نام قدم قدم پر ملے گا۔ لیکن کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ مامون کی فکر کا میلان فلاسفہ یونان کی جانب نہ تھا۔ تاریخ ہند میں آپ کو اکبر کا نام جلی حرفوں سے لکھا ہوا نظر آئیگا لیکن کیا اس حقیقت کو آپ فراموش کرسکتے ہیں کہ دولت اور حکومت کے نشہ سے مخمور ہوکر وہ کس طرح ایک نئے مذہب کا بانی بننا چاہتا تھا۔ ان دونوں میں اسلام اور اسلامیت جس قدر موجود ہے وہ تاریخ کے ہر مبتدی پر واضح ہے۔

اب آئیے اور ہمارے سادگی پسند سلطان العلوم کو ملاحظہ کیجیے۔ عاشق رسول فرمانروائے سلطنت کے علمی خزانے میں دنیا کا کیا کچھ نہیں۔ لیکن اپنے فرزندان ملک کے لیے حضور جس صراط مستقیم کو پسند فرماتے ہیں اس کا رخ مدینہ کی جانب ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے متعلق منشور خسروی میں نمایاں طور پر آپ کو اس خیال کی عملی شکل نظر آئے گی۔ اور اس عمل کی زندہ مثال آپ ہر جمعہ کو دیکھیں گے جبکہ ہمارے سادگی پسند حضور شاہانہ طمطراق کے ساتھ مکہ مسجد میں تشریف لے جانے کے بجائے باغ عامہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں زیادہ تر صلحا و غربا کے مجمع میں خاموشی کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں سربسجود، اور علم کو عملی شکل میں نمایاں فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بادکش بخیر! جامعہ عثمانیہ اب جوان ہورہی ہے، حضور پر نور کی حوصلہ افزائی سے اس جامعہ علیہ کے فرزندان ہر ملک کی درسگاہوں میں حیدرآباد کے نام کو روشن کررہے ہیں۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ متعدد فرزندان جامعہ شاگردی کے درجہ سے خود اپنی یونیورسٹی میں استادی کا مرتبہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ کلیہ جامعہ کے افادہ عام کے سوا طب اور انجنیری کے دو ایسے شعبے ہیں جنہوں نے کالجوں کی شکل اختیار کرلی ہے جامعہ کی ضرورت کے لائق صرف کثیر سے عظیم الشان عمارات کی تعمیر کی ابتدا ہوگئی ہے جامعہ میں دینیات اور دینیات لازم کے علاوہ اب انگریزی۔ ریاضی۔ طبیعیات کیمیا۔ حیاتیات۔ تاریخ۔ عمرانیات۔ فلسفہ، عربی فارسی۔ اردو۔ سنسکرت۔ مرہٹی۔ کنڑی۔ تلنگی اور قانون کی تعلیم دی جاتی ہے اور جامعہ کے اسٹاف میں بڑے بڑے علما و فضلا چشمۂ علم سے

طلبہ کو فیض یاب فرما رہے ہیں۔ ان میں ہندوستان و یورپ کے تعلیم یافتہ بھی ہیں۔ اور مصر و عرب کے فاضل بھی اور ایک صاحب تو جاپان کا عملی تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ حضور کے اس بوقلمون گلدستے کا ذکر ہم اپنی کتاب تذکرۃ الکرام میں کر رہے ہیں۔

جامعہ کے ذکر میں ہم سٹی کالج کو فراموش کرنا نہیں چاہتے جو ایک آزاد معاون کی حیثیت سے اپنا کام بلدہ ہی میں کر رہا ہے اس قسم کے کالج اورنگ آباد ورنگل اور گلبرگہ میں طلبہ کو فیض یاب کر رہے ہیں۔

دارالترجمہ کا ذکر ہمیں یونیورسٹی سے پہلے کرنا چاہئے تھا۔ اس دبستان کا قیام جامعہ عثمانیہ کے قیام سے پہلے حضور پر نور نے منظور فرمایا تھا، اور اسی زمانے سے سرکار کی اس علمی مجلس نے اپنا کام شروع کر کے ملک کے انشاء و ادب میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دینے کی ابتدا کر دی تھی جو ہنوز جاری ہے اب تک تین سو اٹھاون (۳۵۸) کتابیں یا تو ترجمہ ہو چکی ہیں یا زیر ترجمہ ہیں یا زیر نظر ثانی ہیں۔ چند سال ادھر اردو زبان کی اس پیداوار کی نمائش کامیابی کے ساتھ بکرات و مرات حیدرآباد اور دہلی میں کی جا چکی ہے۔ ایک ایسے مفید ادارہ کے مستقل ہونے کے لیے حضور پر نور کے چشم کرم کی ضرورت ہے اور یہ کام بہ یک گردش قلم ہو سکتا ہے۔

تعلیم و تربیت کے باب میں حضور پر نور کے فیوض و برکات کے نشانات جہاں قلمرو ہند کے گوشہ گوشہ میں ہیں وہیں مضبوطی کے ساتھ قلمرو آصفیہ کے چپہ چپہ پر نظر آتے ہیں۔ اس باب میں سب سے پہلی بات ہمیں یہ بیان کرنی ہے کہ ۱۳۱۵ف میں سرکار آصفیہ اخراجات کے منجملہ صرف (۶۱۵۸) لاکھ کی مختصر رقم فرزندان حیدرآباد کی تعلیم پر صرف ہوتی تھی۔ لیکن آج ایسا نہیں ہے۔ حضور نے اس ضروری خرچ کو ایک کروڑ کے لگ بھگ تو ۱۳۴۱ف میں پہنچا دیا گیا اور اس زمانہ میں تعلیمی مصارف ننانوے لاکھ ہیں۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جاتا ہے اس ضرورت کو زیادہ محسوس کیا جا رہا ہے، اور فراخ حوصلگی کے ساتھ تعلیم کے مصارف میں زیادتی عمل میں آ رہی ہے۔

فوقانی اور تحتانی تعلیم کے مسائل پر مدت ہوئی حضور پر نور کی حکومت نے غور فرما لیا ہے اور اب اس کو صراط مستقیم پر لانے کی کوشش کی جا رہی ہے ہر قسم کی ابتدائی تعلیم مفت ہے، اور قلمرو آصفیہ میں اس قسم کے مدارس کی تعداد ۱۳۴۱ف میں چار ہزار اکتالیس تھی۔ ان مدارس کو دیوانی سے چلایا جائے یا صرف خاص مبارک سے یا کسی اور مد سے ہیں سب خاص ہی ابتدائی مدارس سے لیکر کالج کی تعلیم تک ہمارے یہاں کافی انتظام ہے۔ اسپیشل اسکول ابتدائی اسکول، مڈل اسکول۔

عثمانیہ ہائی اسکول۔ انگلش ہائی اسکول اور کالج ایسے ابھرے ہوئے نشانات ہیں جو دیکھنے والوں کو نظر آ سکتے ہیں پنچوائی درس گاہوں کو بھی آپ ہمارے یہاں نمایاں پائیں گے۔ ان ادب گاہوں سے جس طرح لڑکے فایدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح لڑکیاں بھی محروم نہیں ہیں یہ ضرور ہے کہ لڑکوں کی درس گاہیں جداہیں اور لڑکیوں کی جدا۔

ہمارے زمانہ میں محلہ کے کوئی بزرگ ہماری صحت کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ اور بچے اس زمانے کے صحت بخش فنون کو ان کے سامنے حاصل کرتے تھے۔ آج ایسا نہیں ہے۔ لڑکیوں اور لڑکوں کی صحت قایم رکھنے کی غرض سے ہر درس گاہ میں انتظام موجود ہے اور باقاعدگی کے ساتھ طلبہ کے زیر نظر موجودہ زمانہ کے صحت بخش فنون کی تحصیل کرتے رہتے ہیں وہ دن دور نہیں کہ جہاں لڑکوں کے جسموں اور ان کے دماغوں کی جانب توجہ فرمائی گئی طلاب اور طالبات کے دلوں کی طرف بھی توجہ کی جائے گی۔ یہ سیرت ایک نعمت ایزدی ہے جس کو انسان اپنے ابتدائی زندگی ہی میں بہتر طریق پر حاصل کر سکتا ہے۔

مصارف کے اعتبار سے سررشتہ تعلیمات کا نمبر صرف سررشتہ تعمیرات کے بعد ہے۔

کوئی تعمیر اپنے بانی کی نفاست پسندی کو ظاہر کرتی ہے اور شاہان مغلیہ کی تاریخ میں صرف شاہ جہاں کو یہ رتبہ حاصل ہے کہ اس کا نام نظیر کے طور پر لیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے عہد میں بھی نفیس عمارتوں کی تعمیر کی یہ کثرت نہ تھی جو ہم اپنے یہاں آج دیکھتے ہیں۔ ضرورت نہیں ہے کہ ہم آپ کو ان عمارتوں کے نام گنوائیں آپ گھر سے نکلئے اور جس رخ کو چاہیے چلے جائیے۔ آپ کو ہر طرف عالی شان گر نفیس عمارتوں کی ایک قطار نظر آئے گی۔ لطف یہ ہے کہ سب عمارتیں عامۃ الناس کی ضرورتوں کے لیے ہیں۔ آرایش بلدہ کے کام حضور کی عزیز رعایا ہی کی خاطر انجام پذیر ہو رہے ہیں خدا ان مکانات کے ساکنین کو آسایش بھی نصیب کرے۔ ڈرنیج بھی تمام تر رعایا ہی کے آرام کی خاطر اور آرایش کا ایک ضروری جز ہے اس عہد کے کاموں میں سمنٹ کی جدید سڑکیں ہر آیندہ و روند کی توجہ کو اپنی جانب مائل کر لیتی ہیں۔

حضور پر نور نے اپنا ذاتی شوق صرف خاص مبارک کی چند عمارتوں کے ذریعہ پورا فرمایا ہے۔ ہم ان میں سے ایک کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ خلوت مبارک ایک تاریخی عمارت ہے اور اس کو اپنے مالک کے شایان شان ہونا چاہئے خلوت مبارک میں ہر زمانہ کی اہم شخصیتوں کی پذیرائی کی جاتی رہی ہے۔ اور خدا کرے کہ حضور پر نور کے خانوادے میں یہ رسم ہمیشہ جاری رہے حضور نے سب سے پہلے جن شاہی عمارتوں کی جانب توجہ فرمائی یہ ان میں سے ایک ہے یہ میری خوش نصیبی تھی کہ میں اس کے جشن میں شرکت کرنے کی عزت حاصل کر سکا۔ اور تمام مراسم کو بالکل قریب سے دیکھ سکا شب کی تھوڑی سی خنکی اور تمام محل میں برقی روشنی موجود ہوتے ہوئے موم بتی کی روشنی بہت تکلیف دے رہی تھی۔ مجھ پر اس کیفیت کا ایسا اثر ہوا کہ جذبات شاعری جاگ اٹھے اور ایک شعر موزوں ہو گیا!

سہانی تھی شب اور سہانا سماں تھا
ضیاء حضوری سے روشن مکاں تھا

یہ خصوصیت کچھ بلدہ کے لیے خاص نہیں ہے آپ قلمرو کے جس حصہ میں تشریف لے جائیں گے عرصہ حاضرہ کے تعمیری نقوش سے اپنی آنکھوں کو خنک فرما سکیں گے۔

اب ہم حیدرآباد کی آب پاشی اور آبرسانی کی جانب آپ کی توجہ منعطف کرنا چاہتے ہیں آپ بلدہ کے اطراف میں اور مضافات میں جہاں تک ہمارے حدود ہیں چلے جائیے آپ کو جدید ذرائع آبپاشی نظر آئیں گے کتنے قدیم تالاب ایسے ہیں جن کی درستی از سر نو حضور کے عہد میں کی گئی اور کتنے جدید آب گیر ایسے ہیں جو حضور پر نور کے برکات کو جھونپڑیوں کے رہنے والے کسانوں تک پہونچا رہے ہیں۔ اسی طرح آبرسانی کا انتظام ہے کہ بلدہ میں ایک مدت سے مکمل ہو چکنے کے باوجود اب مضافات تک وسعت پا رہا ہے۔ ابھی ہم نے کسانوں کا نام لیا تھا اب ان کے کاموں کو بھی سن لیجئے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ زراعت کے باب میں قلمرو آصفیہ کے وسایل عظیم الشان ہیں روئی۔ تلہن۔ جوار۔ چاول۔ گیہوں۔ حیدرآباد کی

(بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶ کالم ۱)

خاص پیداوار ہیں اور گل مہوہ اور دوسرے تخمینہ پانے والے پھول قدرتی طور پر اس سرزمین سے حاصل ہوتے ہیں ملک میں انسان کے زرعی، اور صنعتی کاروبار میں کام آنے والے مویشی کی تعداد دو کروڑ کے قریب ہے۔

صنعت و حرفت اور تجارت کے محکمہ کی عمر ہمارے ملک میں زیادہ نہیں ہے پھر بھی اس کے کام کی مقدار نہایت حوصلہ افزا ہے۔ اس محکمہ کے تحت صنعت و تجارت زراعت و معدنیات اور انجمن ہائے اتحادی کو اس وجہ سے یکجا کیا گیا ہو کہ یہ محکمہ جات مل جل کر امن و اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیں۔ دکن ہر زمانہ میں اپنی مصنوعات کے لیے مشہور رہا ہے حضور پرنور کی توجہ سے کہیں اب جاکر دیسی مصنوعات میں جان آرہی ہے۔ ورنگل کے قالین، گلبرگہ کے خیمہ اور دریان اور اورنگ آباد کی مشروع بمرو اور چاندی کے ظروف۔ کریم نگر کا چاندی کا کام اور بیدر و نظام آباد کی صناعیاں اس قابل ہیں کہ انہیں مقابلہ کے لیے مملکت ہند کی بڑی سے بڑی نمائش میں پیش کیا جاسکتا ہے مشیر آباد میں دیسی مصنوعات پیدا کرنے کے لئے آبادی قایم کی جارہی ہے اور حضور پرنور نے بہ نفس نفیس ان مصنوعات کو شرف ملاحظہ عطا فرماکر مرجھائے سوکھے ہوئے دلوں میں جان ڈالدی ہے۔ جدید مصنوعات جن کا مدار آگ یا بجلی کی قوت پر ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ حضور پرنور کی سرپرستی میں قدم بڑھانا شروع کردیا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب ریلوں کی ترقی، سڑکوں کی وسعت اور پیداوار کی کثرت کے ساتھ ساتھ ملکی مصنوعات میں اضافہ ہو اس مختصر صفحہ کے کاموں پر ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے، حضور پرنور کی دعا عمر و اقبال کیساتھ ہم اپنے باقی بیان کو کسی [illegible] صحبت کے لئے اٹھائے رکھتے ہیں۔

قصیدہ

بمدح اعلیحضرت قدر قدرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ و دولتہ

(ن)

مولوی سید عبدالکریم صاحب نور

والی ملک تجھکو رکھے خدا سلامت
قایم رہے جہاں میں تو اور تری حکومت

مانے زمانہ تیری بیدار مغزیوں کو
جانے فرس تجھکو ہر صاحب فراست

گلشن بنادیا ہے ہر خطۂ دکن کو
کیا خوب دی گئی ہے آرائشوں نے زینت

فوارے اڑ رہے ہیں اسطرح ہر چمن میں
گویا برس رہا ہے دن رات ابر رحمت

دکھلارہی ہے تیرے انصاف کی بلندی
ہے یادگار تیری، یہ عالیہ عدالت

ڈالا ہے تو نے پایہ جو یونیورسٹی کا
بخشی ہے تجھکو حق نے کیا خوشنما طبیعت

سمجھا ہوا ہے فاضل تجھکو ہر ایک فاضل
مانی گئی ہے سب میں شاہا تری لیاقت

ہونے کو ہے جہاں میں لاکھوں امیر لیکن
لائے مگر کہاں سے کوئی یہ شان و شوکت

بےمثل ہے جہاں میں شاہا ترا تحمل
رکھتی نہیں کسی سے نسبت تری متانت

اہل کرم پہ حق نے ترجیح تجھکو دی ہے
انصاف پروروں پر پائی ہے تو نے سبقت

تیری سخاوتوں کا چرچا ہے یک جہاں میں
تیری عدالتوں کی برپا ہے ایک شہرت

ہر دل عزیز تجھکو جانے نہ کیوں زمانہ
تجھ سے نکل رہی ہے ہر ایک کی ضرورت

کرتے ہیں اس دعا پر ہم ختم مدح سلطاں
اے حامی غریباں اے والی ریاست

قایم رہے دکن پر تا دیر تیرا سایہ
پروردگار عالم رکھے تجھے سلامت

سرسبز ہو جہاں میں باغ شباب تیرا
پھولے پھلے ہمیشہ تیرا ریاض عشرت

ممتاز علم و فن ہوں شہزادگان عالی
کامل انھیں بنادے تیرا کمال صحبت

ہے آرزو خدا پھر وہ دن ہمیں دکھائے
ملک برابر ہم دیکھیں تری حکومت

بعد اس کے یہ دعا ہے ہو فضل سے خدا کے
شاہی کو تیری حاصل شاہنشہی کی عظمت

سلطان علوم کا ہی اے نور اپنا سلطان
ہم پر رہے اس کا سایہ گویا خدا کی رحمت

(بقیہ صفحہ ۱۹ ملاحظہ ہو) قومی نقطۂ نظر سے یہ اتفاق و اتحاد کے ساتھ جلسے ہوں اور ان مجالس میں ہر قوم و ملت شریک ہوکر اعلیحضرت کی موجودہ زندگی پر اپنے خیالات پیش کرے اور کامیابی اپنے والی کی حیات کو قوم کیلئے قابل تقلید بتاتے ہوئے اپیل کریں کہ ہر شخص اپنی زندگی کو تاجدار دکن کا نمونہ بنائے اور اعلیحضرت کی تمام خصوصیات پر علحدہ علحدہ عنوانات پر تقاریر کیجائیں مختصراً چند عنوانات درج ہیں (۱) شہنشاہ دکن کی رعایا پروری (۲) اعلیحضرت کے دور میں دکن کی ترقیاں (۳) رعایا سادگی اختیار کرے وہ ملکی ترقی کے ساتھ تجارتی ذوق دکن میں پیدا کیا جائے (۵) اہل دکن کے تمام ملتیں باہمی اتفاق کا عہد کریں۔ (۶) والی کی دلی ملت فرمایا ہے کا میثاق (۷) وطنی مصنوعات کے استعمال کا شوق دلایا جائے (۸) مملکت کی فلاح صرف اس پر منحصر ہو کہ رعایا فرافدلی کیساتھ تاجدار دکن کی قیادت و رہنمائی میں ترقی کرے (۹) ریاست کو اغیار کی دست برد سے محفوظ و مامون بنانے کی قوت پیدا کیجائے ان عنوانات کے علاوہ اور بھی مختلف معنادے ہیں جنکو ارباب نظر اچھی طرح جانتے ہیں میری دلی دعا ہے کہ جشن سالگرہ کا یوم سعید مملکت آصفیہ کے لئے مبارک و مسعود ہو۔ اور یہ ریاست اعداکے شر سے محفوظ رہے۔ اور اعلیحضرت کے ہاتھوں دکن کا مستقبل ہر لحاظ سے شاندار و ممتاز ہے ریاست کو عالم اسلامی اور عالم اسلامی کو مملکت آصفیہ کے ساتھ محبت و عقیدت رہے۔ والسلام،

از

حضرت جوش ملیح آبادی

اے شہ عثمان علی، درویش سیرت بادشاہ ۔۔۔ سجدہ گاہ صاحبان دل ہے تیری بارگاہ

تیرے ربط سے نکلتی ہے صدائے لا الہ ۔۔۔ کج ہے تیرے فرق دولت پر خلافت کی کلاہ

دوسرے فرمانروا ہیں دست و بازوئے دل ہے تو

عزت دیرینۂ اسلام کا حاصل ہے تو

آصف سابع نظام الملک، صدر بزم دیں ۔۔۔ ناصر شرع محمدؐ، حامئ دین مبیں

مصدر حق، حافظ ملت، امیر المومنیں ۔۔۔ آج تیرا تاجداروں میں کوئی ثانی نہیں

دوسروں کی تابشیں ہیں آبگینے کی طرح

تو چمکتا ہے انگوٹھی کے نگینے کی طرح

طرفہ میدان سیاست میں تیری رفتار ہے ۔۔۔ تو کہیں پُر ہول وادی ہے کہیں گلزار ہے

دوستوں کی کھیتیوں پر ابر گوہر بار ہے ۔۔۔ دشمنوں کے حلق پر چلتی ہوئی تلوار ہے

قہر کی آمیزشیں ہیں مہر سلطانی کے ساتھ

آگ کا عنصر بھی ہے بہتے ہوئے پانی کے ساتھ

تیری مے کا قطرہ قطرہ قلزم کف در دہاں ۔۔۔ تیرے در کا ذرہ ذرہ ہمسر صد کہکشاں

تیری ارض پاک کی ہر دلعزیزی الاماں ۔۔۔ جسکے سینے میں دھڑکتا ہے دل ہندوستاں

آج ہر ناکام دل کو کامرانی تجھ سے ہے

قوم کی نبضوں میں خون زندگانی تجھ سے ہے

تیرے پرتو سے منور ہے جبینِ آب و گل | تیری حکمت سے مزاجِ سلطنت ہے معتدل
تیری نظروں میں ہے یکساں ہر بعید و متصّل | تیری مٹھی میں ہے دُنیا کے مسلمانوں کا دل

دیدہ ور اسلاف کے جوہر ہیں تیری ذات میں
روشنی کا تو منارہ ہے اندھیری رات میں

روشنی تیری حرم میں بھی ہے بتخانے میں بھی | ضو ہے تیری شمع کے سینے میں پروانے میں بھی
تجھ سے آبادی میں بھی زینت ہے ویرانے میں بھی | کاخ میں بھی رونقیں ہیں تجھ سے کاشانے میں بھی

تیرا فرزانہ بھی خوش، دیوانہ بھی آباد ہے
تیرے دم سے جوش کا میخانہ بھی آباد ہے

تشنہ ہے گو صاحبِ صد چشمۂ حیواں ہے تو | نشۂ دولت پہ جو غالب ہے وہ انساں ہے تو
تاجور ہو کر بھی وقفِ سجدۂ یزداں ہے تو | فقر کو آتا ہے جس پر رشک وہ سلطاں ہے تو

فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیئے
جس کا تو آقا ہو اُس کو ناز کرنا چاہیئے

ہو مبارک تجھ کو اے شاہِ حق آگاہ و غیور | یہ گرہ کا جشن، یہ بزمِ مسرت کا سرور
آج نورِ زندگی دوڑا ہوا ہے دُور دُور | آج ہر ذرے میں ہے خورشیدِ خاور کا غرور

حشر تک دوش ہوا پر ناز فرماتا رہے
تیری صولت کا پھریرا یونہیں لہراتا رہے

مژدہ ہو نزدیک ہے، اب رحمتِ حق کا وُرود | دیر سے جاری ہے اہلِ راز میں گفت و شنود
پڑ رہی ہے اک نرالی شان سے طرحِ نمود | لے رہے ہیں کروٹیں تیری حکومت کے حدود

تیری شاہی کی طرف، داد وفا دیتی ہوئی
آ رہی ہیں وسعتیں انگڑائیاں لیتی ہوئی

اسلامی قومیت

از مولوی ابوالاعلیٰ مودودی ایڈیٹر ترجمان القرآن ۔

وطنیت کے مسئلہ کے متعلق آجکل مسلمانوں کے بعض طبقوں میں جن رجحانات کا اظہار ہو رہا ہے وہ ان ترقی یافتہ خیالات وتصورات کا نتیجہ ہے ۔ جو ہماری سیاسی زندگی کے دورِ جدید میں پیدا ہوئے ہیں ۔ وطنیت کی تحریک خود مسلمانوں میں اختلافات پیدا کرنے کی ذمہ دار ہے اور اس سے دوسرے لوگ بالکل بےخبر متاخر ہیں ذیل کے مضمون میں اسی اہم مسئلہ پر اسلامی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے ۔ مسلمانوں کی اصلاح خیال کا جہاں تک تعلق ہے امید ہے کہ یہ مضمون بہت مفید ثابت ہوگا ۔ (ایڈیٹر)

وحشت سے مدنیت کی طرف انسان کا پہلا قدم اٹھتے ہی ضروری ہو جاتا ہے کہ کثرت میں وحدت کی ایک شان پیدا ہو ۔ اور مشترک اغراض ومصالح کے لئے متعدد افراد آپس میں ملکر تعاون اور اشتراک عمل کریں ۔ تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس اجتماعی وحدت کا دائرہ بھی وسیع ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس میں داخل ہو جاتی ہے ۔ اسی مجموعۂ افراد کا نام "قوم" ہے اگرچہ لفظ "قوم" اور "قومیت" اپنے مخصوص اصطلاحی معنوں میں حدیث العہد ہیں ۔ مگر جس معنی پر ان کا اطلاق ہوتا ہے، وہ اتنا ہی قدیم ہے، جتنا کہ خود تمدن قدیم ہے ۔ "قوم" اور "قومیت" جس ہیئت کا نام ہے وہ بابل، مصر، روم، اور یونان میں بھی ویسی ہی تھی جیسی آج فرانس، انگلستان، جرمنی اور اٹلی میں ہے

قومیت کے غیر منفک لوازم

اس میں شک نہیں کہ قومیت کی ابتدا ایک معصوم جذبہ سے ہوتی ہے یعنی اس کا مقصد اصلی یہ ہوتا ہے کہ ایک خاص گروہ کے لوگ اپنے مشترک مفاد ومصالح کیلئے ملکر عمل کریں، اور اجتماعی ضروریات کے لئے ایک "قوم" بنجائیں، لیکن جب ان میں قومیت پیدا ہو جاتی ہے، تو لازمی طور پر "عصبیت" کا رنگ اس میں آجاتا ہے ۔ اور جتنی جتنی قومیت شدید ہوتی جاتی ہے اسی قدر عصبیت میں بھی شدت بڑھتی چلی جاتی ہے ۔ جب کبھی ایک قوم اپنے مفاد کی خدمت اور اپنے مصالح کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو ایک رشتۂ اتحاد میں منسلک کرے گی، یا بالفاظ دیگر اپنے گرد قومیت کا حصار چن لے گی ۔ تو لازماً وہ اس حصار کے اندر اور باہر والوں کے درمیان اپنے اور غیر کا امتیاز کرے گی ۔ اپنے کو ہر معاملہ میں غیر پر ترجیح دیگی ۔ غیر کے مقابلہ میں اپنے کی حمایت کرے گی ۔ جب دونوں کے مفاد ومصالح میں اختلاف واقع ہوگا تو اپنے مفاد کی حفاظت کرے گی ۔ اور اس پر غیر کے مفاد کو قربان کر دے گی ۔ اپنے معاملات میں غیر کو شریک ہونے کی اجازت نہ دیگی ۔ اپنے فوائد ومنافع میں غیر کو حصہ نپانے کا موقع نہ دیگی ۔ انہی وجوہ سے ان میں صلح بھی ہوگی ۔ اور جنگ بھی ۔ مگر رزم اور بزم دونوں میں قومیت کی حد فاصل دونوں گروہوں کے درمیان قائم رہے گی ۔ اسی چیز کا نام عصبیت وحمیت ہے ۔ اور قومیت کی یہ وہ لازمی خصوصیت ہے جو اس کے ساتھ پیدا ہوتی ہے

قومیت کے عناصر ترکیبی

قومیت کا قیام، وحدت واشتراک کی کسی ایک جہت سے ہوتا ہے، خواہ وہ کوئی جہت ہو البتہ شرط یہ ہے کہ اس میں ایسی زبردست قوت رابطہ وضابطہ ہونی چاہیئے ۔ کہ اجسام کے تعدد اور نفوس کے تکثر کے باوجود وہ لوگوں کو ایک کلمہ، ایک خیال، ایک مقصد، اور ایک عمل پر جمع کر دے ۔ قوم کے مختلف اور کثیر التعداد اجزا کو قومیت کے تعلق سے اس طرح لبستہ وپیوستہ کر دے کہ وہ سب ایک ٹھوس چٹان بنجائیں ۔ افراد قوم کے دل ودماغ پر اتنا غلبہ وتسلط حاصل کرلے کہ قومی مفاد کے معاملہ میں وہ سب متحد ہوں اور ہر قربانی کے لئے آمادہ رہیں

یوں تو اشتراک اور وحدت کی جہتیں بہت سی ہونی ممکن ہیں ۔ لیکن آغاز عہد تاریخ سے آجتک دنیا میں جتنی قومیتیں بنی ہیں ان سب کی تعمیر بجز ایک اسلامی قومیت کے، حسب ذیل اشتراکات میں سے کسی ایک قسم کے اشتراک پر ہوئی ہے اور اس عنصر اصلی کے ساتھ چند دوسرے اشتراکات بھی بطور مددگار کے شریک ہوگئے ہیں ۔

اشتراکِ نسل ۔ جس کو "نسلیت" کہتے ہیں ۔

اشتراک مرزوبوم جسکو "وطنیت" کہتے ہیں

اشتراک زبان ۔ جو وحدت خیال کا ایک زبردست ذریعہ ہونے کی وجہ سے قومیت کی تعمیر میں خاص حصہ لیتا ہے ۔

اشتراکِ رنگ ۔ جو ایک رنگ کے لوگوں میں ہم جنسی کا احساس پیدا کرتا ہے اور پھر یہی احساس ترقی کرکے ان کو دوسرے رنگ کے لوگوں سے احتراز واجتناب پر آمادہ کر دیتا ہے

معاشی اغراض کا اشتراک جو ایک معاشی نظام کے لوگوں کو دوسرے معاشی نظام والوں کے مقابلہ میں ممتاز کرتا ہے۔ اسی کی بنا پر وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں اپنے معاشی حقوق و منافع کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔

نظام حکومت کا اشتراک۔ جو ایک سلطنت کی رعایا کو اس کی وفاداری کے رشتہ میں منسلک کرتا ہے اور دوسری سلطنت کی رعایا کے مقابلہ میں حد فاصل قائم کردیتا ہے۔

قدیم ترین عہد سے لیکر آج اس بیسویں صدی کے روشن زمانہ تک جتنی قومیتوں کے عناصر اصلیہ کا آپ تجسس کریں گے۔ ان سب میں آپ کو یہی مذکورۂ بالا عناصر ملیں گے۔ اب سے دو تین ہزار برس پہلے کی یونانیت، رومیت، اسرائیلیت، ایرانیت وغیرہ بھی انہی بنیادوں پر قائم تھیں جن پر آج کی المانیت، فرنساویت، انگریزیت، جاپانیت وغیرہ قائم ہیں۔

شر اور فساد کا سرچشمہ

واقعہ کی حد تک یہ بالکل صحیح ہے کہ یہ بنیادیں جن پر دنیا کی مختلف قومیتیں تعمیر کی گئی ہیں انہوں نے بڑی قوت کے ساتھ جماعتوں کی شیرازہ بندی کی ہے مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ اس قسم کی قومیتیں بنی نوع انسان کے لئے ایک شدید مصیبت ہیں انہوں نے عالم انسانی کو سینکڑوں ہزاروں حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔ اور حصے بھی ایسے کہ ایک حصہ فنا کیا جاسکتا ہے، مٹا دیا جاسکتا ہے مگر دوسرے حصہ میں کسی طرح تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ ایک نسل دوسری نسل میں نہیں بدل سکتی، ایک وطن دوسرا وطن نہیں بن سکتا۔ ایک زبان کے بولنے والے دوسری زبان کے بولنے والے نہیں بن سکتے۔ ایک رنگ دوسرا رنگ نہیں بن سکتا۔ ایک قوم کی معاشی اغراض بعینہ دوسری قوم کی معاشی اغراض نہیں بن سکتیں۔ ایک سلطنت بعینہ دوسری سلطنت نہیں بن سکتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو قومیتیں ان بنیادوں پر تعمیر ہوتی ہیں ان کے درمیان مصالحت کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی۔ قومی عصبیت کی بنا پر وہ ایک دوسرے کے خلاف مسابقت، مزاحمت اور منافست کی ایک دائمی کشمکش میں مبتلا رہتی ہیں۔ ایک دوسرے کو پامال کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ آپس میں لڑ لڑ کر فنا ہو جاتی ہیں اور پھر انہی بنیادوں پر دوسری قومیتیں ایسے ہی ہنگامے برپا کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ پس یہ دنیا میں فساد، بدامنی اور شرارت کا ایک مستقل سرچشمہ ہے۔ خدا کی سب سے بڑی لعنت ہے۔ شیطان کا سب سے زیادہ کامیاب حربہ ہے جس سے وہ اپنے ازلی دشمن انسان کا شکار کرتا ہے۔

عصبیت جاہلیہ

اس قسم کی قومیت کا فطری اقتضاء یہ ہے کہ وہ انسان میں جاہلانہ عصبیت پیدا کرے۔ وہ ایک قوم کو دوسری قوم سے مخالفت کرنے اور نفرت برتنے پر صرف اس لئے آمادہ کرتی ہے کہ وہ دوسری قوم کیوں ہے؟ اسے حق، صداقت، دیانت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ صرف یہ بات کہ ایک شخص کالا ہے، گورے کی نظر میں اسے حقیر بنادیتی ہے۔ صرف اتنی سی بات کہ ایک انسان ایشیائی ہے، فرنگی کی نفرتوں، جابرانہ دراز دستیوں اور حق تلفیوں کو اس کے لئے وقف کردیتی ہے۔ آئین سٹائین جیسے فاضل اجل کا اسرائیلی ہونا اس کے لئے کافی ہے کہ المانی اس سے نفرت کرے۔ تشیکیدی[1] کا محض سیاہ فام حبشی ہونا اس کو جائز کردیتا ہے کہ ایک یوروپین کو سزا دینے کے جرم میں اس کی ریاست چھین لیجائے۔ امریکہ کے مہذب باشندوں کیلئے یہ قطعاً جائز ہے کہ وہ حبشیوں کو پکڑ پکڑ کر زندہ جلادیں کیونکہ وہ حبشی ہیں۔ المانی کا المانی ہونا اور فرنساوی کا فرنساوی ہونا اس بات کیلئے بالکل کافی ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کریں اور دونوں کو ایک دوسرے کے محاسن یک سر معائب نظر آئیں۔ سرحد آزاد کے افغانیوں کا افغانی ہونا انگریز کو اس کا پورا حق بخش دیتا ہے کہ وہ اس کے سر پر طیاروں سے گولے برسائیں۔ چاہے یورپ کے مہذب شہریوں پر اس قسم کی گولہ باری کتنی ہی وحشیانہ حرکت سمجھی جاتی ہو۔ غرض یہ جنسی امتیاز وہ چیز ہے۔ جو انسان کو حق اور انصاف کی طرف سے اندھا بنادیتی ہے اور اس کی وجہ سے عالمگیر اصول اخلاق و شرافت بھی قومیتوں کے قالب میں ڈھل کر کہیں ظلم اور کہیں عدل، کہیں سچ اور کہیں جھوٹ، کہیں نیکی۔ اور کہیں شرافت بن جاتے ہیں۔

کیا انسان کیلئے اس سے زیادہ غیر معقول ذہنیت اور کوئی ہوسکتی ہے۔ کہ وہ ایک نالائق بدکار اور شریر آدمی کو ایک لائق، صالح اور نیک نفس آدمی پر صرف اس لئے ترجیح دے کہ پہلا ایک نسل میں پیدا ہوا ہے۔ اور دوسرا کسی اور نسل میں؟ پہلا سپید ہے اور دوسرا سیاہ؟ پہلا ایک پہاڑ کے مغرب میں پیدا ہوا ہے اور دوسرا اس کے مشرق میں؟ پہلا ایک زبان بولتا ہے۔ اور دوسرا کوئی اور زبان؟ پہلا ایک سلطنت کی رعایا ہے اور دوسرا کسی اور سلطنت کی؟ کیا جلد کے رنگ کو روح کی صفائی و کدورت میں کوئی دخل ہے۔؟ کیا عقل اس کو باور کرتی ہے کہ اخلاق و اوصاف انسانی کے صلاح و فساد سے پہاڑوں اور دریاؤں کا کوئی تعلق ہے؟ کیا کوئی صحیح الدماغ انسان یہ تسلیم کرسکتا ہے۔ کہ مشرق میں جو چیز حق ہو وہ مغرب میں باطل ہو جائے۔؟ کیا کسی قلب سلیم میں اس چیز کے تصور کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ نیکی، شرافت، اور جوہر انسانیت کو رگوں کے خون، زبان کی بولی، مولد و مسکن کی خاک کے معیار پر جانچا جائے۔؟ یقیناً عقل ان سوالات کا جواب نفی میں دیگی۔ مگر نسلیت، وطنیت اور اس کے بھائی بہن نہایت بے باکی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہاں ایسا ہی ہے۔

قومیت کے عناصر پر ایک عقلی تنقید

تھوڑی دیر کے لئے اس پہلو سے قطع نظر کرلیجئے۔ یہ جتنے اشتراکات آج قومیت کی بنیاد بنے ہوئے ہیں۔ ان کو خود ان کی ذاتی حیثیت سے دیکھئے اور غور کیجئے کہ آیا یہ بجائے خود کوئی معقول

[1] یہ بیچوانا لینڈ کے بامنگ واٹو قبیلہ کا سردار ہے جس کو حال میں ایک یوروپین پر سزائے تازیانہ جاری کرنے کے جرم میں سلطنت برطانیہ نے حقوق ریاست سے محروم کردیا تھا۔ حالانکہ دیسی باشندوں کے ساتھ اس کے افسوسناک برتاؤ کا خود برٹش ہائی کمشنر کو بھی اعتراف تھا۔ بعد میں غریب تشیکیدی کو صرف اس وقت بحال کیا گیا جبکہ اس نے ہمیشہ کیلئے یہ عہد کرلیا کہ وہ کبھی کسی ایسے مقدمہ کا فیصلہ نہ کریگا جس کا کوئی تعلق کسی یوروپین سے ہو۔ مگر ایسی کوئی شرط اس عہد نامہ میں نہ رکھی گئی۔ کہ یوروپین حضرات دیسی باشندوں کی جان، مال اور عزت آبرو سے تعرض نہ فرمائیں گے۔

عقلی بنیاد بھی رکھتے ہیں۔ یا ان کی حقیقت محض ایک سراب تخیل ہے۔

نسلیت

نسلیت کیا ہے؟ محض خون کا اشتراک اس کا نقطۂ آغاز ماں اور باپ کا نطفہ ہے جس سے چند انسانوں میں خونی رشتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی نقطہ پھیل کر خاندان بنتا ہے، پھر قبیلہ، پھر نسل۔ اس آخری حد یعنی نسل تک پہونچتے پہونچتے انسان اپنے اس باپ سے جس کو اس نے اپنی نسل کا مورث اعلیٰ قرار دیا ہے۔ اتنا دور ہو جاتا ہے کہ اس کی مورثیت محض ایک خیالی چیز بن کر رہ جاتی ہے۔ نام نہاد "نسل" کے اس دریا میں بیرونی خون کے بہت سے ندی نالے آ کر مل جاتے ہیں۔ اور کوئی صاحب عقل و علم انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ دریا خالص اسی پانی کا ہے جو اپنے اصلی سرچشمہ سے نکلا تھا۔ پھر اگر اس خلط ملط کے باوجود خون کے اشتراک کی بنا پر انسان ایک "نسل" کو اپنے لئے مادۂ اتحاد قرار دے سکتا ہے، تو کیوں نہ اس خون کے اشتراک کو بنائے وحدت قرار دیا جائے۔ جو تمام انسانوں کو ان کے پہلے باپ اور پہلی ماں سے ملا ہے؟ اور کیوں نہ تمام انسانوں کو ایک ہی نسل اور ایک ہی اصل کی طرف منسوب کیا جائے؟ آج جن لوگوں کو مختلف نسلوں کا بانی و مورث قرار دے لیا گیا ہے ان سب کا نسب اوپر جا کر کہیں نہ کہیں ایک دوسرے سے مل جاتا ہے اور آخر میں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ سب ایک اصل سے ہیں۔ پھر یہ آریت اور سامیت کی تقسیم کیسی ہے؟

وطنیت

مرز و بوم کے اشتراک کی حقیقت اس سے بھی زیادہ موہوم ہے۔ انسان جس جگہ پیدا ہوتا ہے اس کا رقبہ یقیناً ایک گز مربع سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اس رقبہ کو اگر وہ وطن قرار دے تو شاید وہ کسی کو اپنا ہم وطن نہیں کہہ سکتا لیکن وہ ایک چھوٹے سے رقبہ کے اِدگرد میلوں اور کوسوں تک، اور بسا اوقات سینکڑوں ہزاروں میل تک ایک سرحدی خط کھینچ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہاں تک میرا وطن ہے اور اس سے باہر جو کچھ ہے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض اس کی نظر کی تنگی ہے۔ ورنہ کوئی چیز اسے تمام روئے زمین کو اپنا وطن کہنے سے مانع نہیں ہے جس دلیل کی بنا پر ایک مربع گز کا وطن پھیل کر ہزار مربع گز بن سکتا ہے اسی دلیل کی بنا پر وہ پھیل کر پورا کرۂ ارضی بھی بن سکتا ہے۔ اگر آدمی اپنے زاویہ نظر کو تنگ نہ کرے تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ یہ دریا پہاڑ سمندر وغیرہ جن کو اس نے محض اپنے خیال میں حدود فاصل قرار دیکر ایک زمین اور دوسری زمین میں فرق کیا ہے۔ سب کے سب ایک ہی زمین کے اجزاء ہیں۔ پھر کس بنا پر اس نے ان دریاؤں اور پہاڑوں اور سمندروں کو یہ حق دیدیا کہ وہ اسے ایک خاص خطہ میں قید کر دیں وہ کیوں نہیں کہتا کہ میں زمین کا باشندہ ہوں سارا کرۂ ارضی میرا وطن ہے، جتنے انسان ربع مسکون میں آباد ہیں، میرے ہم وطن ہیں، اس پورے سیارے پر میں وہی پیدائشی حقوق رکھتا ہوں جو اس گز بھر زمین پر، مجھے حاصل ہیں جہاں میں پیدا ہوا ہوں؟

لسانی امتیاز

اشتراکِ زبان کا فائدہ صرف اس قدر ہے کہ جو لوگ ایک زبان بولتے ہیں وہ باہمی تفاہم اور تبادلۂ خیالات کے زیادہ مواقع رکھتے ہیں اس سے اجنبیت کا پردہ بڑی حد تک اٹھ جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو ایک دوسرے سے قریب تر محسوس کرتے ہیں۔ مگر ادائے خیال کے وسیلہ کا مشترک ہونا، خود خیال کے اشتراک کو مستلزم نہیں ہے۔ ایک ہی خیال دس مختلف زبانوں میں ادا ہو سکتا ہے۔ اور ان سب کے بولنے والوں کا اس خیال میں متحد ہو جانا ممکن ہے بخلاف اس کے دس مختلف خیالات ایک زبان میں ادا ہو سکتے ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ اس زبان کے بولنے والے ان خیالات کے معتقد ہو کر باہم مختلف ہو جائیں۔ لہٰذا وحدت خیال جو حقیقتاً قومیت کی جان ہے اشتراکِ زبان کا محتاج نہیں ہے اور نہ اشتراکِ زبان کے ساتھ وحدت خیال ضروری ہے۔ پھر ایک بڑا سوال یہ ہے کہ آدمی کی آدمیت اور اس کے ذاتی حسن و قبح میں اس کی زبان کو کیا دخل ہے؟ ایک جرمن بولنے والے شخص کو ایک فرنچ بولنے والے کے مقابلہ میں محض اس بنا پر کیسے ترجیح دی جا سکتی ہے کہ وہ جرمن زبان بولتا ہے؟ دیکھنے کی چیز اس کا جوہر ذاتی ہے نہ کہ اس کی زبان۔ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو وہ صرف یہ کہ ایک ملک کے انتظامی معاملات اور عام کاروبار میں وہی شخص مفید ہو سکتا ہے جو اس ملک کی زبان جانتا ہو۔ مگر انسانیت کی تقسیم اور قومی امتیاز کے لئے یہ کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے

امتیاز رنگ

انسانی جماعتوں میں رنگ کا امتیاز سب سے زیادہ لغو و مہمل چیز ہے۔ رنگ محض جسم کی ایک صفت ہے۔ مگر انسان کو انسان ہونے کا شرف اس کے جسم کی بنا پر نہیں۔ اس کی روح، اس کے نفس ناطقہ کی بنا پر ہے جس کا کوئی رنگ نہیں ہے پھر انسان اور انسان میں زردی اور سرخی، سیاہی اور سپیدی کا امتیاز کیا؟ ہم کالی گائے اور سپید گائے کے دودھ میں کوئی فرق نہیں کرتے اس لئے کہ مقصود اس کا دودھ ہے۔ نہ کہ اس کا رنگ لیکن عقل کی بے راہ روی کا برا ہو کہ اس نے ہم کو انسان کی نفسی صفات سے قطع نظر کر کے اس کی جلد کے رنگ کی طرف متوجہ کر دیا۔

معاشی قومیت

معاشی اغراض کا اشتراک انسانی خود غرضی کا ایک ناجائز بچہ ہے۔ قدرت نے اس کو ہرگز پیدا نہیں کیا۔ آدمی کا بچہ کام کرنے کی قوتیں ماں کے پیٹ سے لے کر پیدا ہوتا ہے۔ جد و جہد کے لئے اس کو ایک وسیع میدان ملتا ہے اور زندگی بسر کرنیکے بے شمار وسائل اس کا استقبال کرتے ہیں۔ مگر وہ اپنی معیشت کے لئے صرف اس کو کافی نہیں سمجھتا کہ اس کے لئے رزق کے دروازے کھلیں۔ بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ دوسروں کے لئے وہ بند ہو جائیں اسی خود غرضی میں انسانوں کی کسی بڑی جماعت کے مشترک ہو جانے سے وہ وحدت پیدا ہو جاتی ہے جو انہیں ایک قوم بننے میں مدد دیتی ہے بظاہر وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے معاشی اغراض کا ایک حلقہ قائم کر کے اپنے حقوق و مفاد کا تحفظ کر لیا لیکن جب اسی طرح بہت سی جماعتیں اپنے گرد اس قسم کے حصار کھینچ لیتی ہیں تو انسان پر اس کے اپنے ہاتھوں سے عرصۂ حیات تنگ ہو جاتا ہے۔ اس کی اپنی خود غرضی اس کے پاؤں میں بیڑی اور ہاتھ میں ہتھکڑی بن جاتی ہے، اور وہ دوسروں کے لئے رزق کے دروازے بند کرنیکی

کوشش میں خود اپنے رزق کے دروازوں کی کنجیاں گم کر دیتا ہے۔ آج ہماری آنکھوں کے سامنے یہ منظر موجود ہے کہ یورپ امریکہ اور جاپان کی سلطنتیں اس خود غرضی کا خمیازہ بھگت رہی ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ان معاشی قلعوں کو کس طرح مسمار کریں جن کو انہوں نے خود ہی حفاظت کا بہترین وسیلہ سمجھ کر تعمیر کیا تھا کیا اس کے بعد بھی ہم یہ نہ سمجھیں گے کہ کسب معیشت کیلئے حلقوں کی تقسیم اور ان کی بنا پر قومی امتیازات کا قیام ایک غیر عاقلانہ فعل ہے؟ خدا کی وسیع زمین پر انسان کو اپنے رب کا فضل تلاش کرنے کی آزادی دینے میں آخر کونسی قباحت ہے؟

سیاسی قومیت

نظام حکومت کا اشتراک بجائے خود ایک ناپائدار اور ضعیف البنیان چیز ہے اور اس کی بنا پر ہرگز کسی مستحکم قومیت کی تعمیر ممکن نہیں ہے، ایک سلطنت کی رعایا کو اس کی وفاداری کے رشتے میں منسلک کر کے ایک قوم بنا دینے کا خیال کبھی کامیاب نہیں ہوا۔ سلطنت جب تک غالب و قاہر رہتی ہے رعایا اس کے قانون کی گرفت میں بندھی رہتی ہے یہ گرفت جہاں ڈھیلی ہوئی اور مختلف عناصر منتشر ہوگئے سلطنت مغلیہ میں مرکزی طاقت کے کمزور ہونے کے بعد کوئی چیز ہندوستان کے مختلف علاقوں کو اپنی الگ الگ سیاسی قومیتیں بنا لینے سے نہ روک سکی یہی حشر سلطنت عثمانیہ کا ہوا۔ اخیر زمانہ میں جو ان ترکوں نے عثمانی قومیت کا قصر تعمیر کرنے کیلئے بہت کچھ زور لگایا مگر ایک ٹھیس لگتے ہی سب اینٹ منتشر ہو گئے۔ تازہ ترین مثال آسٹریا ہنگری کی ہے اور تاریخ سے ایسی اور بہت سی مثالیں بھی پیش کیجا سکتی ہیں۔ ان کے دیکھنے کے بعد جو لوگ سیاسی قومیتوں کی تعمیر ممکن سمجھتے ہیں وہ محض اپنے تخیل کی شادابی کیلئے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

انسانیت و آفاقیت

اس تنقید سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نسل انسانی میں یہ جتنی تفریقیں کی گئی ہیں ان کے لئے کوئی عقلی بنیاد نہیں ہے۔ یہ صرف حسی اور مادی تفریقیں ہیں جن کا ہر دائرہ زاویہ نظر کی ہر وسعت پر ٹوٹ جاتا ہے ان کا قیام و بقا جہالت کی تاریکی اور نگاہ کی محدودیت اور دل کی تنگی پر منحصر ہے۔ علم و عرفان کی روشنی جس قدر پھیلتی ہے بصیرت کی رسائی جس قدر بڑھتی ہے۔ قلب میں جتنی جتنی وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے، یہ مادی اور حسی پردے اٹھتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ نسلیت کو انسانیت کے لئے اور وطنیت کو آفاقیت کیلئے جگہ خالی کرنی پڑتی ہے۔ اختلاف رنگ و زبان میں جوہر انسانی کی وحدت جلوہ گر ہوتی ہے۔ خدا کی زمین میں خدا کے سب بندوں کی معاشی اغراض مشترک پائی جاتی ہیں۔ اور سیاسی نظامات کے دائرے محض چند سائے نظر آتے ہیں۔ جو آفتاب اقبال کی گردش سے روئے زمین پر چلتے پھرتے گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔

اسلام کا وسیع نظریہ

ٹھیک یہی بات ہے جو اسلام کہتا ہے۔ اس نے انسان اور انسان کے درمیان کسی مادی یا حسی تفریق کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سب انسان ایک ہی اصل سے ہیں۔

خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالا کثیرا ونساء (۱:۴)

"خدا نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو (دنیا میں) پھیلا دیا"

تمہارے درمیان مرزوبوم اور مولد و مدفن کا اختلاف کوئی جوہری چیز نہیں ہے۔ اصل میں تم سب ایک ہی ہو:۔ وھو الذی انشاکم من نفس واحدۃ فمستقر ومستودع (۶ : ۱۲) "اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر ہر ایک کا ایک ٹھکانا ہے اور ایک جگہ اس کے سپرد خاک ہونے کیلئے ہے"

اس کے بعد نسل اور خاندان کے اختلاف کی بھی یہ حقیقت بتا دی کہ

یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (۲:۴۹)

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو گروہ و قبائل بنا دیا تاکہ تم آپس میں پہچانے جاؤ۔ مگر درحقیقت معزز تو تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے"

یعنی یہ شعوب و قبائل کا اختلاف محض تعارف کیلئے ہے۔ آپس کے بغض ایک دوسرے پر تفاخر، ایک دوسرے سے جھگڑنے کیلئے نہیں ہے اس اختلاف میں انسانی اصل کی وحدت کو بھول جاؤ تم میں اگر کوئی حقیقی تفریق ہے تو وہ صدق اور کذب نیکی اور بدی کی بنا پر ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ گروہوں کی تفریق اور جماعتوں کا اختلاف خدا کا عذاب ہے جو تم کو آپس کی دشمنی کا مزا چکھاتا ہے۔

او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض (۶ : ۸)

"یا تم کو گروہ گروہ بنا دے اور تمہیں ایک دوسرے کی قوت کا مزا چکھائے"

اس گروہ بندی کو اس نے من جملہ ان جرائم کے قرار دیا ہے جن کی بنا پر فرعون لعنت و عذاب کا مستحق ہوا:۔

ان فرعون علا فی الارض وجعل اہلہا شیعا (۱:۲۸)

"فرعون نے زمین میں تکبر کیا اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا"

پھر کہا کہ زمین خدا کی ہے، اس نے نوع انسانی کو اس میں اپنی خلافت سے سرفراز کیا ہے اس کی سب چیزوں کو انسان کیلئے مسخر کیا ہے، کچھ ضرور نہیں کہ انسان ایک خطے کا بندہ بن کر رہ جائے یہ وسیع زمین اس کے لئے کھلی ہوئی ہے۔ ایک جگہ اس کے لئے تنگ ہو تو دوسری جگہ چلا جائے۔ جہاں جائیگا خدا کی نعمتیں موجود پائے گا۔

انی جاعل فی الارض خلیفۃ (۲:۴)

(آدم کی تخلیق کے وقت خدا نے فرمایا کہ) میں زمین میں ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں" (۹:۲۲)

الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی الارض (۹:۲۲)

"کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان سب چیزوں کو مسخر کر دیا ہے جو زمین میں ہیں"

الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا (۱۴:۴)

"کیا اللہ کی زمین وسیع و کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے"

ومن یہاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ (۱۴:۴)

"جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں وافر جگہ اور کشائش پائے گا"۔

آپ پورے قرآن کو دیکھ جائیے اس میں ایک لفظ بھی آپ کو نسلیت یا وطنیت کی تائید میں نہ ملے گا۔ اس کی دعوت کا خطاب پوری نوع انسانی سے ہے۔ تمام روئے زمین کی انسانی مخلوق کو خیر و صلاح کی طرف بلاتا ہے۔ اس میں نہ کسی قوم کی تخصیص ہے اور نہ کسی سرزمین کی۔ اس نے اگر کسی زمین کے ساتھ خاص تعلق پیدا کیا ہے تو وہ صرف حرم مکہ کی زمین ہے۔ لیکن اس کے متعلق بھی صاف کہدیا کہ

سواءً العاكف فيه والباد

یعنی مکہ کے اصلی باشندے اور باہر کے آنے والے سب وہاں برابر ہیں[1]۔ اور جو مشرکین وہاں کے اصلی باشندے تھے ان کے متعلق کہا کہ وہ نجس ہیں ان کو وہاں سے نکال باہر کرو۔ انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا۔

اس تصریح کے بعد اسلام میں وطنیت کا کلی استیصال ہو جاتا ہے۔ اقبال نے بالکل سچ کہا ہے کہ:۔

پاک ہے گرد وطن سے سر داماں تیرا
تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا

اور درحقیقت مسلمان ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ:۔

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

عصبیت اور اسلام کی دشمنی

اسلام جب ظاہر ہوا تو اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی نسل و وطن کے تعصبات و امتیازات تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قوم تعصبات میں سب سے پیش پیش تھی۔ خاندانوں کے مفاخر اور نسبی و ذاتی وجاہتوں کے تخیلات ان کو صداقت اسلام پر ایمان لانے سے روکتے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ قرآن اگر خدا کی طرف سے اترتا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی پر اترتا۔

وقالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم (۴۳:۴)

ابوجہل سمجھتا تھا کہ محمد صلعم رسالت کا دعویٰ کر کے اپنے خاندانی مفاخر میں ایک اور فخر کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا قول تھا کہ "ہم سے اور بنو عبد مناف سے مقابلہ تھا۔ ہمیشہ سواری میں ان کے حریف تھے۔ کھانے اور کھلانے میں عطا اور بخشش میں ان کے برابر تھے۔ اب وہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں وحی آنی شروع ہوئی ہے خدا کی قسم ہم تو کبھی محمد کی تصدیق نہ کریں گے"۔

یہ صرف ابوجہل ہی کے خیالات نہ تھے بلکہ تمام مشرکین قریش کے نزدیک رسول اللہ کے پیش کردہ دین کا یہی عیب تھا کہ:۔

مذہب او قاطع ملک و نسب
از قریش و منکر از فضل عرب
در نگاہ او یکے بالا و پست
با غلام خویش بر یک خواں نشست
قدر احرار عرب نشناختہ
با کلفتان حبش در ساختہ
احمراں با اسوداں آمیختند
آبروئے دودمانے ریختند

اسی بنا پر قریش کے تمام خاندان بنی ہاشم سے بگڑ گئے۔ اور بنی ہاشم نے بھی قومی عصبیت کی خاطر رسول اللہ کی حمایت کی حالانکہ ان میں سے اکثر مسلمان نہ تھے۔ شعب ابی طالب میں بنی ہاشم کو اسی لئے محصور کیا گیا اور تمام قریش نے اسی وجہ سے ان سے مقاطعہ کر لیا۔ جن مسلمانوں کے خاندان کمزور تھے ان کو شدید مظالم سے تنگ آ کر حبش کی جانب ہجرت کرنی پڑی۔ اور جن کے خاندان طاقتور تھے وہ اپنی حق پرستی کی بنا پر نہیں بلکہ خاندانی طاقت کی بنا پر قریش کے ظلم و ستم سے ایک حد تک محفوظ رہے۔

عرب کے یہودی انبیائے بنی اسرائیل کی پیش گوئیوں کی بنا پر مدتوں سے ایک نبی کے منتظر تھے انہی کی دی ہوئی خبروں کا نتیجہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت شائع ہوئی تو مدینہ کے بہت سے باشندے مسلمان ہو گئے مگر یہودیوں کو اس چیز نے آپ کی تصدیق سے روک دیا کہ آنے والا نبی بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں کیوں آیا؟ حتیٰ کہ اس تعصب نے ان کو یہاں تک جوش دلایا کہ وہ موحدین کو چھوڑ کر بت پرستوں کے ساتھی ہو گئے۔ یہی حال نصاریٰ کا تھا۔ آنے والے نبی کے وہ بھی منتظر تھے مگر ان کو توقع تھی کہ وہ شام میں پیدا ہوگا۔ عرب کے کسی نبی کو ماننے کے لئے وہ طیار نہ تھے۔ ہرقل کے پاس جب رسول اللہ کا فرمان پہونچا تو اس نے قریش کے تاجروں سے کہا کہ "مجھے معلوم تھا کہ نبی آنے والا ہے مگر یہ امید نہ تھی کہ وہ تم میں سے ہوگا"۔ مقوقس کے پاس جب دعوت نامہ اسلام پہونچا تو اس نے بھی یہی کہا کہ "ابھی ایک نبی آنا باقی ہے۔ یہ مجھے معلوم ہے۔ مگر مجھے امید تھی کہ وہ شام میں آئے گا"۔ اسی تعصب کا دور دورہ عجم میں بھی تھا۔ خسرو پرویز کے پاس جب حضور کا نامہ مبارک پہونچا تو کس چیز نے اس کو غضبناک کیا؟ یہی کہ "ایک غلام قوم کا فرد اور بادشاہ عجم کو اس طرح خطاب کرے"۔ وہ عرب کی قوم کو ذلیل سمجھتا تھا۔ اپنا ماتحت خیال کرتا تھا کہ یہ بات ماننے کے لئے وہ کسی طرح تیار نہ تھا کہ ایسی قوم میں کوئی حق کی طرف بلانے والا پیدا ہوگا

اسلام کے خلاف اس کے دشمن یہودیوں کے پاس سب سے بڑا کارگر حربہ یہی تھا کہ مسلمانوں میں قبائلی عصبیت پیدا کر دیں۔ اسی بنیاد پر مدینہ کے منافقین سے ان کا ساز باز تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ کر انصار کے دونوں قبیلوں (اوس اور خزرج) میں عصبیت کی ایسی آگ بھڑکائی کہ تلواریں کھینچنے کی نوبت آ گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ

يا ايها الذين آمنوا ان تطيعوا فريقا من الذين اوتوا الكتاب يردوكم بعد ايمانكم (۳:)

یہی نسل و وطن کا تعصب تھا جس نے مدینہ میں قریش کے نبی کو حکمران دیکھ کر، اور مہاجرین کو انصار کے

---

[1] اسی وجہ سے فقہائے اسلام کے ایک بڑے گروہ نے مکہ کی سرزمین پر کسی کے حق ملکیت کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ حضرت عمر اہل مکہ کو گھروں کے دروازے بند کرنے سے روکتے تھے تاکہ حجاج و زائرین جہاں چاہیں اتریں حضرت عمر ابن عبد العزیز مکہ میں مکانات کے کرائے لینے سے منع کرتے تھے اور انہوں نے امیر مکہ کو فرمان لکھا تھا کہ لوگوں کو اس سے روکیں بعض فقہا نے کہا ہے کہ جس نے اپنے خرچ سے وہاں مکان بنایا وہ اس کا کرایہ لے سکتا ہے۔ مگر میدان اور خرابات اور مکانوں کے صحن پر سب کا حق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مكة حرام لا يحل بيع رباعها ولا اجور بيوتها ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوا انما هي مناخ من سبق یہ اس زمین کا حال ہے جس سے اسلام نے خصوصیت پیدا کی۔

باغوں اور نخلستانوں میں جیتے پھرتے دیکھکر، مدینہ کے منافقین کو آتش زیر پا کر رکھا تھا عبداللہ بن ابی رأس المنافقین کہا کرتا تھا کہ "یہ قریش کے فقیر ہمارے ملک میں آکر بھول گئے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرتا کہ تجھی کو پھاڑ کھائے"۔ وہ انصار سے کہتا تھا کہ "تم نے ان کو اپنے سر چڑھایا ہے۔ اپنے ملک میں جگہ دی اپنے اموال میں ان کو حصہ دیا۔ خدا کی قسم آج تم ان سے ہاتھ روک لو تو یہ چلتے پھرتے نظر آئیں گے"۔ اس کی ان باتوں کا جواب قرآن مجید میں اس طرح دیا گیا ہے۔

هم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول الله حتی ینفضوا ولله خزائن السموات والارض ولکن المنفقین لا یفقهون یقولون لئن رجعنا الی المدینه لیخرجن الاعز منها الاذل ولله العزة ولرسوله وللمومنین ولکن المنفقین لا یعلمون (۶۳-۱۰)

. . . .

. . . . یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھ والوں پر کچھ خرچ نہ کرو تاکہ یہ تتر بتر ہو جائیں حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا اصلی مالک اللہ ہے۔ مگر منافقین اس بات کو نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم (جنگ سے) مدینہ کی طرف واپس ہوئے تو جو عزت والا ہے۔ وہ ذلت والے کو وہاں سے نکال دیگا۔ حالانکہ عزت دراصل اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کی ہے۔ مگر منافقین اس بات کو نہیں جانتے"۔

یہی عصبیت کا جوش تھا جس نے عبداللہ بن ابی سے حضرت عائشہ پر تہمت لگوائی اور خزرج والوں کی حمایت نے اس دشمن خدا و رسول کو اپنے کیے کی سزا پانے سے بچا لیا۔

عصبیت کے خلاف اسلام کا جہاد

اس بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کفر و شرک کی جہالت کے بعد اسلام کی دعوت حق کا اگر کوئی سب سے بڑا دشمن تھا تو وہ یہی نسل و وطن کا شیطان تھا اور یہی وجہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ حیات نبویہ میں ضلالت کفر کے بعد سب سے زیادہ جس چیز کو مٹانے کے لئے جہاد کیا وہ یہی عصبیت جاہلیہ تھی۔ آپ احادیث و سیر کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ حضور سرور کائنات نے کس طرح خون اور خاک، رنگ اور زبان پستی اور بلندی کی تفریقوں کو مٹایا۔ انسان اور انسان کے درمیان غیر فطری امتیازات کی تمام سنگین دیواروں کو مسمار کیا اور انسان ہونے کی حیثیت سے تمام بنی آدم کو یکساں قرار دیا۔ آنحضرت کی تعلیم یہ تھی کہ

لیس منا من مات علی العصبیة لیس منه من دعی الی العصبیه، لیس منا من قاتل علی العصبیة

"جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

آپ فرماتے ہیں کہ:-

لیس لاحد فضل علی احد الا بالدین و تقوی۔ الناس کلهم بنو آدم و آدم من تراب

"پرہیزگاری اور دین داری کے سوا اور کسی چیز کی بنا پر ایک شخص کو دوسرے شخص پر فضیلت نہیں ہے۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے"

نسل، وطن، زبان، اور رنگ کی تفریق کو آپ نے یہ کہہ کر مٹایا کہ:-

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی کلکم ابناء آدم (بخاری و مسلم)

"نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر تم سب آدم کی اولاد ہو۔"

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض الا بالتقوی (زاد المعاد)

کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر فضیلت نہیں ہے۔ اگر فضیلت ہے تو وہ صرف پرہیزگاری کی بنا پر ہے۔

اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسه زبیبه (بخاری کتاب)

سنو اور اطاعت کرو چاہے تمہارے اوپر کوئی حبشی غلام ہی امیر بنا دیا جائے جس کا سر کشمش جیسا ہو۔

فتح مکہ کے بعد جب تلوار کے زور سے قریش کی اکڑی ہوئی گردنوں کو جھکا دیا، تو حضور خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور اس میں پورے زور کے ساتھ یہ اعلان فرمایا:-

الا کل ماثرة او دم او مال یدعی فهو تحت قدمی هاتین

خوب سن رکھو کہ فخر و ناز کا ہر سرمایہ، خون اور مال کا ہر دعویٰ آج میرے ان قدموں کے نیچے ہے

یا معشر قریش ان الله قد اذهب عنکم نخوة الجاهلیه وتعظمها الاباء

اے معشر قریش اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کی بزرگی کے ناز کو دور کر دیا

ایها الناس کلکم من آدم وآدم من تراب لا فخر للانساب۔ لا فخر لاعرابی علی العجمی ولا للعجمی علی العربی ان اکرمکم عند الله اتقکم

اے لوگو! تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ نسب کے لئے کوئی فخر نہیں ہے عرب کو عجمی پر، عجمی کو عرب پر کوئی فخر نہیں ہے۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔

عبادت الٰہی کے بعد آپ اپنے خدا کے سامنے تین باتوں کی گواہی دیتے تھے۔ پہلے اس بات کی کہ "خدا کا کوئی شریک نہیں ہے"۔ پھر اس بات کی کہ "محمد اللہ کا بندہ اور رسول ہے" پھر اس بات کہ "اللہ کے بندے سب بھائی بھائی ہیں" وان العباد کلهم اخوة

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام ۔ نے غلام او را نہ او کس را غلام
بندۂ حق مرد آزاد است و بس ۔ ملک و آئینش خدا داد است و بس

اسلامی قومیت کی بنیاد

اسی طرح اللہ اور اس کے رسول نے جاہلیت کی ان تمام محدود، مادی، حسی، وہمی بنیادوں کو جن پر دنیا میں مختلف قومیتوں کی عمارتیں قائم کی گئی تھیں ڈھا دیا۔ رنگ، نسل، وطن، زبان، معیشت، سیاست کی غیر عقلی تفریقوں کو جن کی بنا پر انسان نے اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے انسانیت کو تقسیم کر رکھا تھا، مٹا دیا۔ انسانیت کے مادے میں تمام انسانوں کو برابر اور ایک دوسرے کا ہم مرتبہ قرار دے دیا۔

اس تخریب کے ساتھ اس نے

خالص عقلی بنیادوں پر ایک نئی قومیت تعمیر کی اس قومیت کی بنا بھی امتیاز پر تھی مگر مادی اور عرضی امتیاز نہیں بلکہ روحانی اور جوہری امتیاز۔ اس نے انسان کے سامنے ایک فطری صداقت پیش کی جس کا نام "اسلام" ہے اس نے خدا کی بندگی و اطاعت، نفس کی طہارت و پاکیزگی، عمل کی نیکی اور پرہیزگاری کی طرف ساری نوع بشری کو دعوت دی۔ پھر کہہ دیا کہ جو اس دعوت کو قبول کرے وہ ایک قوم سے ہے، اور جو اس کو رد کر دے وہ دوسری قوم سے ایک قوم ایمان اور اسلام کی ہے۔ اور اس کے سب افراد بھائی بھائی ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ اور ایک قوم کفر اور گمراہی کی ہے۔ اور اس کے تمام متبعین اپنے اختلافات کے باوجود ایک ملت ہیں۔ الکفر ملۃ واحدۃ۔ ان دونوں قوموں کے درمیان بنائے امتیاز، نسل اور نسب نہیں اعتقاد اور عمل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے اسلام اور کفر کی تفریق میں جدا جدا ہو جائیں۔ اور دو بالکل اجنبی آدمی اسلام میں متحد ہونے کی وجہ سے ایک قومیت میں مشترک ہوں۔ وطن کا اختلاف بھی ان دونوں قوموں کے درمیان وجہ امتیاز نہیں ہے، یہاں امتیاز حق اور باطل کی بنا پر ہے۔ جس کا کوئی وطن نہیں ہوسکتا ہے کہ ایک شہر ایک محلہ، ایک گھر کے دو آدمیوں کی قومیتیں اسلام و کفر کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہو جائیں اور ایک حبشی رشتۂ اسلام میں شریک ہونے کی وجہ سے ایک مراکشی کا قومی بھائی بن جائے۔

فطرت ما مستنیر از مصطفیٰ است
باز گو آخر مقام ما کجا ست

رنگ کا اختلاف بھی یہاں قومی تفریق کا سبب نہیں ہے۔ یہاں اعتبار چہرے کے رنگ کا نہیں۔ اللہ کے رنگ کا ہے اور وہی بہترین رنگ ہے۔ صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً۔ ہوسکتا ہے کہ اسلام کے اعتبار سے ایک گورے اور ایک کالے کی ایک قوم ہو اور کفر کے اعتبار سے دو گوروں کی دو الگ قومیتیں ہوں۔

مرد حق از کس نگیرد رنگ و بو
مرد حق از حق پذیرد رنگ و بو

زبان کا امتیاز بھی اسلام اور کفر میں وجہ اختلاف نہیں ہے۔ یہاں منہ کی زبان نہیں دل کی زبان کا اعتبار ہے جو ساری دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس کے اعتبار سے عربی اور افریقی کی ایک زبان ہوسکتی ہے اور دو عربوں کی زبانیں مختلف ہوسکتی ہیں۔ معاشی اور سیاسی نظاموں کا اختلاف بھی اسلام اور کفر کے اختلاف میں بے اصل ہے۔ یہاں جھگڑا دولت زر کا نہیں دولت ایمان کا ہے۔ انسانی سلطنت کا نہیں خدا کی بادشاہت کا ہے۔ جو لوگ حکومت الٰہی کے وفادار ہیں۔ اور جو خدا کے ہاتھ اپنی جانیں فروخت کر چکے ہیں۔ وہ سب ایک قوم ہیں خواہ ہندوستان میں ہوں یا ترکستان میں۔ اور جو خدا کی حکومت سے باغی ہیں اور شیطان سے جان و مال کا سودا کر چکے وہ ایک دوسری قوم ہیں ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ وہ کس سلطنت کی رعایا ہیں اور کس معاشی نظام سے تعلق رکھتے ہیں

آب و نان ماست از یک مائدہ

اس طرح اسلام نے قومیت کا جو دائرہ کھینچا ہے وہ کوئی حسی اور مادی دائرہ نہیں بلکہ ایک خالص عقلی دائرہ ہے۔ ایک گھر کے دو آدمی اس دائرہ سے جدا ہوسکتے ہیں، اور مشرق و مغرب کا بعد رکھنے والے دو آدمی اس میں داخل ہوسکتے ہیں۔

سر عشق از عالم ارحام نیست
او ز سام و حام و روم و شام نیست
کوکب بے شرق و غرب و بے غروب
در مدارش نے شمال و نے جنوب

اس دائرے کا محیط ایک کلمہ ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اسی کلمہ پر دوستی بھی ہے اور اسی پر دشمنی بھی۔ اسی کا اقرار جمع کرتا ہے اور اسی کا انکار جدا کر دیتا ہے جن کو اس نے جدا کر دیا ہے انہیں نہ خون کا رشتہ جمع کر سکتا ہے، نہ خاک کا، نہ زبان کا نہ رنگ کا، نہ روٹی کا، نہ حکومت کا۔ اور جن کو اس نے جمع کر دیا ہے انہیں کوئی چیز جدا نہیں کر سکتی کسی دریا، کسی پہاڑ، کسی سمندر، کسی کسی زبان، کسی نسل، کسی رنگ اور کسی زر و زمین کے قضیہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسلام کے دائرے میں امتیازی خطوط کھینچ کر مسلمان اور مسلمان کے درمیان فرق کرے، ہر مسلمان خواہ وہ چین کا باشندہ ہو یا مراقش کا کالا ہو یا گورا، ہندی بولتا ہو یا عربی، سامی ہو یا آرین، ایک حکومت کی رعیت ہو یا دوسری حکومت کی، مسلمان قوم کا فرد ہے، اسلامی سوسائٹی کا رکن ہے، اسلامی اسٹیٹ کا شہری ہے اسلامی فوج کا سپاہی ہے۔ اسلامی قانون کی حفاظت کا مستحق ہے۔ شریعت اسلامیہ میں کوئی ایک دفعہ بھی ایسی نہیں ہے۔ جو عبادات معاملات معاشرت، سیاست، معیشت، غرض زندگی کے کسی شعبہ میں جنسیت یا زبان یا وطنیت کے لحاظ سے اس کو دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں کمتر یا بیشتر حقوق دیتی ہو

اسلام کا طریق جمع و تفریق

یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اسلام نے تمام انسانی اور مادی رشتوں کو قطع کر دیا ہے ہرگز نہیں! اس نے مسلمانوں کو صلۂ رحمی کا حکم دیا ہے۔ قطع رحم سے منع کیا ہے۔ ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری کی تاکید کی ہے۔ خون کے رشتوں میں وراثت جاری کی ہے۔ خیرات و صدقات اور بذل و انفاق میں ذوی القربیٰ کو غیر ذوی القربیٰ پر ترجیح دی ہے۔ اپنے اہل و عیال، اپنے گھر بار، اور اپنے ملک کو دشمنوں سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ ظالم کے مقابلہ میں لڑنے کا حکم دیا ہے اور ایسی لڑائی میں جان دینے والے کو شہید قرار دیا ہے۔ زندگی کے تمام معاملات میں بلا امتیاز مذہب ہر انسان کے ساتھ ہمدردی حسن سلوک، اور محبت سے پیش آنے کی تعلیم دی ہے۔ اس کے کسی حکم کو یہ معنی نہیں پہنائے جا سکتے کہ وہ ملک و وطن کی خدمت و حفاظت سے روکتا ہے یا غیر مسلم ہمسایوں کے ساتھ صلح و مسالمت کرنے سے باز رکھتا ہے۔

یہ سب کچھ ان مادی رشتوں کی جائز اور فطری مراعات ہے، مگر جس چیز نے قومیت کے معاملہ میں اسلام اور غیر اسلام کے اصول میں فرق کر دیا ہے، وہ یہ ہے کہ دوسروں نے انہی رشتوں پر جداگانہ قومیتیں بنائی ہیں۔ اور اسلام نے ان کو بنائے قومیت قرار نہیں دیا۔ وہ ایمان کے تعلق کو ان سب تعلقات پر ترجیح دیتا ہے اور

وقت پڑے تو ان میں سے ہر ایک کو اس پر قربان کر دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

(قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (۶۰ : ۱)

تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں یہ قابل تقلید نمونہ تھا کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہدیا کہ ہمارا تم سے اور تمہارے معبودوں سے جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم نے تم کو چھوڑ دیا۔ ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور دشمنی ہوگئی۔ تا وقتیکہ تم ایک خدا پر ایمان نہ لاؤ

وہ کہتا ہے کہ:۔

لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۹ : ۳)

اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی دوست اور محبوب نہ رکھو۔ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو محبوب رکھیں۔ تم میں سے جو کوئی ان کو محبوب رکھیگا تو وہی ظالموں میں شمار ہوگا۔

اور:۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (۶۴ : ۲)

تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تمہارے (بحیثیت مسلمان ہونیکے) دشمن ہیں۔ ان سے حذر کرو"۔

وہ کہتا ہے کہ اگر تمہارے دین اور تمہارے وطن میں دشمنی ہوجائے تو دین کی خاطر وطن کو چھوڑ کر نکل جاؤ۔ جو شخص دین کی محبت پر وطن کی محبت کو قربان کرکے ہجرت نہ کرے وہ منافق ہے۔ اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں

فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۴ : ۱۲)

اس طرح ایک طرف تو اسلام اور کفر کے اختلاف سے خون کے قریب ترین رشتے کٹ جاتے ہیں۔ ماں، باپ، بھائی، بیٹے صرف اس لئے جدا ہوجاتے ہیں کہ وہ اسلام کے مخالف ہیں۔ قوم کو اس لئے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ خدا سے دشمنی رکھتی ہے وطن کو اس لئے خیرباد کہا جاتا ہے کہ وہاں اسلام اور کفر میں عداوت ہے۔ گویا اسلام دنیا کی ہر چیز پر مقدم ہے۔ ہر چیز اسلام پر قربان کیجا سکتی ہے۔ اور اسلام کسی چیز پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔ اب دوسری طرف دیکھئے۔ یہی اسلام کا تعلق ہے جو ایسے لوگوں کو ملا کر بھائی بھائی بنا دیتا ہے۔ جن کے درمیان نہ خون کا رشتہ ہے، نہ وطن کا، نہ زبان کا، نہ رنگ کا۔ تمام مسلمانوں کو خطاب کرکے کہا جاتا ہے

(واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا (۳ : ۱۱)

تم سب ملکر اللہ کی رسی کو مضبوط تھامے رہو اور آپس میں متفرق نہ ہوجاؤ اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت پیدا کردی اور تم اس کی نعمت (اسلام) کی بدولت بھائی بھائی بن گئے۔ تم (آپس کی عصبیتوں کی وجہ سے) آگ سے بھرے ہوئے گڑھے کے سرے پر تھے۔ اللہ نے تم کو اس سے بچالیا

تمام غیر مسلموں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

(فان تابوا واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین (۹ : ۲)

اگر وہ کفر سے توبہ کریں، نماز پڑھیں، زکوۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔

اور مسلمانوں کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ:۔

(محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم (۴۸ : ۴)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ لوگ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (صلعم) اللہ کا بندہ اور رسول ہے۔ نیز وہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ پھیریں، ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں جو نہی کہ انہوں نے ایسا کیا۔ ہم پر ان کے خون اور ان کے مال حرام ہوگئے۔ الا یہ کہ حق اور انصاف کی خاطر ان کو حلال کیا جائے اس کے بعد ان کے وہی حقوق ہیں جو سب مسلمانوں کے ہیں اور ان پر وہی واجبات ہیں جو سب مسلمانوں پر ہیں۔ (ابوداؤد۔ کتاب الجہاد)۔

پھر یہی نہیں کہ حقوق اور فرائض میں مسلمان برابر ہیں۔ اور ان میں کسی فرق و امتیاز کی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد نبوی ہے کہ

(المسلم للمسلم کالبنیان یشد بعضہ بعضا)

مسلمان کے ساتھ مسلمان کا تعلق ایسا ہے جیسے ایک دیوار کے اجزا جن کو ایک دوسرے سے پیوستہ کر دیا جاتا ہے۔

اور:۔

(مثل المومنین فی توادہم وتراحمہم وتعاطفہم کمثل الجسد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسہر والحمی)

آپس کی محبت اور رحمت و مہربانی میں مسلمانوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم کہ اگر اس کے ایک عضو کو تکلیف پہونچے تو سارا جسم اس کے لئے بے خواب و بے آرام ہو جاتا ہے"۔

ملت اسلام کے اس جسم نامی کو رسول اللہ نے "جماعت" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کے متعلق آپ کا فرمان ہے کہ

(ید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی النار)

جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ جو اس سے پھر گیا وہ آگ میں گیا۔

اور:۔

(من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ)

جو ایک بالشت بھر بھی جماعت سے جدا ہوا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکا۔

اسی پر بس نہیں بلکہ یہانتک فرمایا کہ

(من اراد ان یفرق جماعتکم فاقتلوہ)

جو تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرے اس کو قتل کردو۔

(من اراد ان یفرق امر ہذہ الامۃ وہی جمیع فاضربوہ بالسیف کائناً من کان (مسلم۔ کتاب الامارہ)

جو کوئی اس امت کے بندھے ہوئے رشتہ کو پارہ پارہ کرنیکا ارادہ کرے تلوار سے اسکی خبر لو خواہ کوئی ہو۔

اسلامی قومیت کی تعمیر کس طرح ہوئی

شیرازہ بندی اسلام کے تعلق کی بنا پر کی گئی تھی خون اور رنگ اور زبان کی کوئی تمیز نہ تھی۔ سلمان فارسی تھے جن سے ان کا نسب پوچھا جاتا تو فرماتے کہ میں سلمان ابن اسلام ہوں حضرت علی انکے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ سلمان منا اہل البیت سلمان ہم اہل بیت سے ہیں۔ انہیں باذان بن ساسان اور انکے بیٹے شہر بن باذان تھے جنکا نسب بہرام گور سے ملتا تھا رسول اللہ نے حضرت باذان

کو یمن کا اور ان کے صاحبزادے کو صنعا کا والی مقرر فرمایا تھا۔ اس جماعت میں بلال حبشی تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ فرمایا کرتے کہ بلال سیدنا ومولیٰ سیدنا۔ "بلال ہمارے آقا کا غلام اور ہمارا آقا ہے" اس جماعت میں صہیب رومی تھے جنہیں حضرت عمر نے اپنی جگہ نماز میں امامت کے لیے کھڑا کیا۔ اس میں حضرت ابوحذیفہ کے غلام سالم تھے جن کے متعلق حضرت عمر نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو میں خلافت کے لیے انہیں کو نامزد کرتا۔ اس میں زید بن حارثہ ایک غلام تھے جن کے ساتھ رسول اللہ صلعم نے خود اپنی پھوپھی کی بیٹی ام المومنین حضرت زینب کو بیاہ دیا تھا۔ ان میں حضرت زید کے بیٹے اسامہ تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے لشکر کا سردار بنایا تھا جس میں ابوبکر صدیق عمر فاروق ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ شریک تھے۔ انہی اسامہ کے متعلق حضرت عمر اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ اسامہ کا باپ تیرے باپ سے افضل تھا اور اسامہ خود تجھ سے افضل ہے"۔

مہاجرین کا اسوہ

اس جماعت نے اسلام کے تیر سے عصبیت کے ان تمام بتوں کو توڑ اٹھا جو نسل اور وطن رنگ اور زبان وغیرہ کے نام سے موسوم ہیں اور جن کی پرستش جاہلیت قدیمہ سے لیکر جاہلیت جدیدہ کے زمانہ تک دنیا میں ہو رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے وطن مکہ کو چھوڑا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے یہ معنی نہ تھے کہ آپ کو اور مہاجرین کو اپنے وطن سے وہ فطری محبت نہ تھی جو انسان کو ہوا کرتی ہے مکہ کو چھوڑتے وقت آپ نے فرمایا تھا کہ اے مکہ! تو مجھ کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ مگر کیا کروں کہ تیرے باشندے مجھ کو یہاں رہنے نہیں دیتے" حضرت بلال جب مدینہ جاکر بیمار ہوئے تو مکہ کی ایک ایک چیز کو یاد کرتے تھے۔ ان کے یہ حسرت بھرے اشعار آج تک مشہور ہیں۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ
بفخ وحولی اذخر و جلیل
وھل اردن یوما میاہ مجنۃ
وھل یبدون لی شامۃ و طفیل

انصار کا طرز عمل

مگر اس کے باوجود جب وطن نے ان بزرگوں کو اسلام کی خاطر ہجرت کرنے سے باز نہ رکھا دوسری طرف اہل مدینہ نے رسول اکرم اور مہاجرین کو سر آنکھوں پر بٹھایا اور اپنے جان ومال کو خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ اسی بنا پر حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "مدینہ قرآن سے فتح ہوا" آپ نے انصار اور مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تو یہ ایسے بھائی بنے کہ مدتوں ان کو ایک دوسرے کی میراث ملتی رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس توارث کو بند کیا۔

واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض۔ انصار نے اپنے کھیت اور باغ آدھے آدھے تقسیم کرکے اپنے مہاجر بھائیوں کو دیدیے اور جب بنی نضیر کی زمینیں فتح ہوئیں تو رسول اللہ سے عرض کیا کہ یہ زمینیں بھی ہمارے مہاجر بھائیوں کو دیدیجئے۔ یہی ایثار تھا جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع انصاری کے درمیان مواخاۃ کرائی گئی تو حضرت سعد اپنے بھائی کو اپنا آدھا مال دینے اور اپنی بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر ان سے بیاہ دینے پر آمادہ ہوگئے عہد رسالت کے بعد جب مہاجرین پیہم منصب خلافت پر سرفراز ہوئے تو کسی مدنی نے یہ نہ کہا کہ تم متوطن مسافروں کو ہمارے ملک پر حکومت کرنے کا کیا حق ہے؟ رسول اکرم اور حضرت عمر نے مدینہ کے نواح میں مہاجرین کو جاگیریں دیں اور کسی انصاری نے اس پر زبان تک نہ ہلائی۔

رشتہ دین پر مادی علائق کی قربانی

پھر جنگ بدر اور جنگ احد میں مہاجرین مکہ دین کی خاطر خود اپنے رشتہ داروں سے لڑے۔ حضرت ابوبکر نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن پر تلوار اٹھائی۔ حضرت حذیفہ نے اپنے باپ عتبہ پر حملہ کیا۔ حضرت عمر نے اپنے ماموں کے خون سے ہاتھ رنگے خود رسول اکرم کے چچا عباسؓ چچازاد بھائی عقیلؓ۔ داماد ابوالعاصؓ بدر میں گرفتار ہوئے اور عام قیدیوں کی طرح رکھے گئے۔ حضرت عمر اس پر آمادہ تھے کہ سب قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کرے۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرم غیر قبیلہ اور غیر علاقہ والوں کو لے کر خود اپنے قبیلہ اور اپنے وطن پر حملہ آور ہوئے غیروں کے ہاتھ سے اپنوں کی گردنوں پر تلوار چلوائی حملہ آور فوج کا علم حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا جو ایک انصاری تھے جب قریش کے اوباش مارے جانے لگے تو ابوسفیان نے آکر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ قریش کے تو نہال کٹ رہے ہیں۔ آج کے بعد قریش کا نام ونشان نہ رہے گا"۔ اس پر رسول اکرم نے اہل مکہ کو امان دیدی۔ انصار میں اس پر چہ میگوئیاں ہوئیں انہوں نے کہا حضور آخر آدمی ہی تو ہیں اپنے خاندان والوں کا پاس کر گئے"۔ رسول اللہ کو ان باتوں کی خبر پہونچی تو انصار کو جمع کیا اور فرمایا "مجھے خاندان والوں کی محبت نے ہرگز نہیں کھینچا میں اللہ کا بندہ اور اسکا رسول ہوں اللہ کے لیے تمہارے پاس ہجرت کرکے آ چکا ہوں اب میرا مرنا تمہارے ساتھ ہے اور میرا جینا تمہارے ساتھ"۔ اس کے بعد ہوازن اور ثقیف کے اموال فتح ہوئے اور حضور نے غنیمت میں سے قریش کے نومسلموں کو زیادہ حصہ دیا انصار کے نوجوانوں نے بگڑ کر کہا کہ "خدا رسول اللہ کو معاف کرے وہ قریش کو دیتے ہیں اور ہم کو چھوڑتے ہیں حالانکہ اب تک ہماری تلواروں سے ان کے خون ٹپک رہے ہیں" اس پر رسول اکرم نے ان کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں ان لوگوں کو اس لیے زیادہ دے رہا ہوں کہ یہ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ محض ان کی تالیف قلب مقصود ہے کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ یہ مال لے جائیں اور تم رسول اللہ کو لے جاؤ؟

غزوہ بنی المصطلق میں ایک غفاری اور ایک عوفی میں جھگڑا ہو گیا۔ غفاری نے عوفی کو تھپیڑ مارا بنی عوف انصار کے حلیف تھے۔ عوفی نے انصار کو مدد کے لیے پکارا۔ بنی غفار مہاجرین کے حلیف تھے غفاری نے مہاجرین کو آواز دی۔

؎ رسول اللہ پر یہ بہتان گھڑا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا حب الوطن من الایمان حالانکہ ایسی کوئی صحیح حدیث آپ سے ماثور نہیں ہے

قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں۔ رسول اللہ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ "یہ کیا جاہلیت کی پکار تھی جو تمہاری زبانوں سے نکل رہی تھی" (مالکم ولدعوۃ الجاھلیہ) انہوں نے کہا کہ ایک مہاجر نے انصاری کو مارا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس جاہلیت کی پکار کو چھوڑ دو یہ بڑی گھناونی چیز ہے"۔ (دعوھا فانھا منتنۃ)

اس غزوہ میں مدینہ کا مشہور قوم پرست منافق عبداللہ بن اُبی بھی شریک تھا۔ اس نے جو سنا کہ مہاجرین کے حلیف نے انصار کے حلیف کو مارا ہے تو کہا کہ یہ ہمارے ملک میں آکر پھیل پھول گئے ہیں اور اب ہمارے ہی سامنے سر اٹھاتے ہیں۔ ان کی مثل تو ایسی ہے کہ کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرتا کہ وہ تجھی کو پھاڑ کھائے۔ بخدا مدینہ پہونچکر جو ہم میں سے عزت والا ہوگا وہ ذلت والے کو وہاں سے نکال باہر کرے گا"۔ پھر اس نے انصار سے کہا کہ "یہ تمہارا ہی کیا دھرا ہے" تم نے ان لوگوں کو اپنے ملک میں جگہ دی اور اپنے اموال کو ان پر بانٹ دیا خدا کی قسم آج تم ان سے ہاتھ کھینچ لو تو یہ ہوا کھاتے نظر آئیں گے"۔ یہ باتیں رسول اللہ تک پہونچیں تو آپ نے عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ کو بلا کر فرمایا کہ تمہارا باپ یہ کہتا ہے۔ وہ اپنے باپ سے نہایت درجہ محبت رکھتے تھے اور ان کو فخر تھا کہ خزرج میں کوئی بیٹا اپنے باپ سے اتنی محبت نہیں کرتا۔ مگر یہ قصہ سن کر انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر حکم ہو تو میں اس کا سر کاٹ لاؤں" آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر جب جنگ سے واپس ہوئے تو مدینہ پہونچ کر حضرت عبداللہ اپنے باپ کے آگے تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ "تو مدینہ میں گھس نہیں سکتا جب تک کہ رسول اللہ اجازت نہ دیں۔ تو کہتا ہے کہ ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلت والے کو مدینہ سے نکال دے گا۔ تو اب تجھے معلوم ہو کہ عزت صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے" اس پر ابن اُبی چیخ اٹھا کہ لوگو دوڑو اے اہل خزرج اب میرا بیٹا مجھکو گھر میں نہیں گھسنے دیتا" لوگوں نے آکر حضرت عبداللہ کو سمجھایا۔ مگر انھوں نے کہا کہ رسول اللہ کی اجازت کے بغیر یہ مدینہ کے سایہ میں بھی پناہ نہیں لے سکتا۔" آخر کار لوگ رسول اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جا کر عبداللہ سے کہو کہ اپنے باپ کو گھر میں جانے دے"۔ جب عبداللہ نے یہ فرمان مبارک سنا تو تلوار رکھدی اور کہا کہ "ان کا حکم ہے تو اب یہ جا سکتا ہے"[1]

بنو قینقاع پر جب حملہ کیا گیا تو حضرت عبادہؓ بن الصامت کو ان کے معاملہ میں حکم بنایا گیا اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ اس پورے قبیلہ کو مدینہ سے جلا وطن کر دیا جائے یہ لوگ حضرت عبادہ کے قبیلہ خزرج کے حلیف تھے مگر انہوں نے اس تعلق کا ذرہ برابر خیال نہ کیا اسی طرح بنو قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذ کو حکم بنایا گیا اور انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے عورتوں اور بچوں کو سبایا اور انکے اموال کو غنیمت قرار دیا جائے اس معاملہ میں حضرت سعد نے ان حلیفانہ تعلقات کا ذرا خیال نہ کیا جو اوس اور بنو قریظہ کے درمیان مدتوں سے قائم تھے۔

جامعہ اسلامیہ کی اصلی روح

ان شواہد سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی قومیت کی تعمیر میں نسل و وطن اور زبان و رنگ۔ کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس عمارت کو جس معمار نے بنایا ہے اس کا تخیل ساری دنیا سے نرالا تھا اس نے تمام عالم انسانی کے مواد خام پر نظر ڈالی جہاں جہاں کسے اس کو اچھا اور مضبوط مسالہ ملا اس کو چھانٹ لیا۔ ایمان و عمل صالح کے سیمنٹ چونے سے ان متفرق اجزا کو پیوستہ کر دیا اور ایک عالمگیر قومیت کا قصر تعمیر کیا جو سارے کرۂ ارض پر چھایا ہوا ہے اس عظیم الشان عمارت کا قیام و دوام منحصر ہے اس پر کہ اس کے تمام مختلف الاصل، مختلف الشکل مختلف المقام اجزاء اپنی جدا جدا اصلیتوں کو بھول کر صرف ایک اصل کو یاد رکھیں اپنے جدا جدا رنگ چھوڑ کر ایک رنگ میں رنگ جائیں۔ اپنے الگ الگ مقاموں سے قطع نظر کر کے ایک مخرج صدق سے نکلیں اور ایک مدخل صدق میں داخل ہو جائیں۔ یہی وحدت ملی اس بنیان مرصوص کی جان ہے اگر یہ وحدت ٹوٹ جائے۔ اگر اجزائے ملت میں اپنی اصلوں اور نسلوں کے جدا ہونے اپنے وطن اور مقام کے مختلف ہونے اپنے رنگ اور شکل کے متنوع ہونے اپنی اغراض دنیوی کے متضاد ہونے کا احساس پیدا ہو جائے تو اس عمارت کی دیواریں پھٹ جائیں گی اس کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ اس کے تمام اجزاء پارہ پارہ ہو جائیں گے۔ جس طرح ایک سلطنت میں کئی سلطنتیں نہیں بن سکتیں اسی طرح ایک قومیت میں کئی قومیتیں بھی نہیں بن سکتیں اسلامی قومیت کے ساتھ نسلی، وطنی، لسانی، لونی قومیتوں کا جمع ہونا قطعاً محال ہے۔ ان دونوں قسم کی قومیتوں میں سے ایک ہی قایم رہ سکتی ہے اس لیے کہ جو اسکا پیرہن ہے مذہب کا وہ کفن ہے"۔

پس جو اسلامی قومیت میں رہنا چاہتا ہے اسے تمام قومیتوں کے احساس کو باطل اور سارے خاک و خون کے رشتوں کو قطع کرنا پڑے گا۔ اور جو ان رشتوں کو باقی رکھنا چاہتا ہو اس کے متعلق ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ وہ اسلامی قومیت سے نکل گیا اس نے اسلامی عصبیت کو چھوڑ دیا جاہلی عصبیت کا دامن تھام لیا اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکا جاہلیت کے پھندے کو اسلام کے رشتہ پر ترجیح دی۔ وہ اسلام سے چھوٹا اور اسلام اس سے۔

رسول اللہ کی آخری وصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آخری زمانہ میں سب سے زیادہ خطرہ جس چیز کا تھا وہ یہی تھی کہ کہیں مسلمانوں میں جاہلی عصبیتیں پیدا نہ ہو جائیں اور انکی بدولت اسلام کا قصر ملت پارہ پارہ نہ ہو جائے اس لیے حضور بار بار فرمایا کرتے تھے

لاترجعون بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (بخاری کتاب الفتن)	کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے

بعد تم پھر کفر کی طرف پلٹ کر آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

اپنی زندگی کے آخری حج۔ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو عرفات کے خطبہ میں عام مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا۔

"سن رکھو کہ امر جاہلیت میں سے ہر چیز آج میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے

---

[1] اس واقعہ کی پوری تفصیل ابن جریر کی تفسیر (جلد ۲۸ صفحہ ۶۶ تا ۷۰) میں ملاحظہ فرمائیے۔

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے اور سب
مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ جاہلیت کے
سب خون باطل کر دئے گئے۔ اب
تمہارے خون اور تمہاری عزتیں اور تمہارے
اموال ایک دوسرے کے لیے ویسے ہی
حرام ہیں جیسے آج حج کا دن تمہارے
اس مہینہ تمہارے اس شہر میں حرام ہے"
پھر منیٰ میں تشریف لے گئے تو اس سے زیادہ
زور کے ساتھ اس تقریر کو دھرایا اور اس پر یہ اضافہ کیا۔
"ہاں میرے بعد پھر گمراہی کی طرف پلٹ کر
ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنے لگنا
عنقریب تم اپنے رب سے ملنے والے ہو وہاں
تمہارے اعمال کی تم سے بازپرس ہوگی۔
دیکھو اگر کوئی نکٹا حبشی بھی تمہارا امیر بنایا
جائے اور وہ تم کو کتاب اللہ کے مطابق
چلائے تو اسکی بات ماننا اور اطاعت کرنا"
یہ ارشاد فرما کر پوچھا کہ "کیا میں نے تم کو یہ
پیغام پہنچا دیا؟" لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ
فرمایا "اے خدا تو گواہ رہیو" اور لوگوں سے کہا کہ
جو موجود ہے وہ اس پیغام کو ان لوگوں تک پہنچا دے
جو موجود نہیں ہیں"۔
حج سے واپس ہو کر شہدائے احد کے مقابر پر
تشریف لے گئے اور پھر مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا۔
"مجھے اس کا خوف نہیں ہے کہ میرے بعد
تم شرک کروگے۔ مگر ڈرتا اس سے ہوں کہ
کہیں تم دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور آپس میں
لڑنے نہ لگو اگر ایسا کروگے تو ہلاک ہو جاوگے
جس طرح پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں"

اسلام کیلئے سب سے بڑا خطرہ

یہ فتنہ جس کے ظاہر ہونے کا سید الکونین کو اندیشہ تھا حقیقت میں ویسا ہی مہلک ثابت ہوا جیسا آپ نے فرمایا تھا۔ قرن اول سے آج تک اسلام اور مسلمانوں پر جو تباہی بھی نازل ہوئی ہے اسی کی بدولت ہوئی ہے۔ وصال نبوی کے چند ہی برس بعد ہاشمی اقتدار کے خلاف اموی عصبیت کا فتنہ اٹھا اور اس نے اسلام کے اصلی نظام سیاست کو ہمیشہ کے لیے درہم برہم کر دیا۔ پھر اس نے عربی عجمی اور ترکی عصبیت کی شکل میں ظہور کیا اور اسلام کی سیاسی وحدت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ پھر مختلف ممالک میں جو اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں ان سب کی تباہی میں سب سے زیادہ اسی فتنہ کا ہاتھ تھا۔ قریب ترین زمانہ میں دو سب سے بڑی اسلامی سلطنتیں ہندوستان اور ترکی کی تھیں۔ ان دونوں کو اسی فتنہ نے تباہ کیا۔ ہندوستان میں مغل اور ہندوستانی کی تفریق نے سلطنت مغلیہ کو دفن کیا اور ترکی میں ترک و عرب و کرد کی تفریق تباہی کی موجب ہوئی۔

اسلام کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ جائیے جہاں کوئی طاقتور سلطنت آپ کو نظر آئے گی اس کی بنیادوں میں آپ کو بلا امتیاز جنسیت مختلف نسلوں اور مختلف قوموں کا خون ملے گا۔ ان کے مدبر ان کے سپہ سالار، ان کے اہل قلم، ان کے اہل سیف سب کے سب مختلف الاجناس پائے جائیں گے۔ آپ عراقی کو افریقہ میں۔ شامی کو ایران میں، افغانی کو ہندوستان میں۔ اسلامی حکومتوں کی سچی جاں بازی۔ دیانت۔ صداقت امانت کے ساتھ خدمت کرتے ہوئے دیکھیں گے جس سے وہ خود اپنے وطن کی خدمت کرتا اسلامی سلطنتیں کبھی اپنے مردان کار کی فراہمی میں کسی ایک ملک یا ایک نسل کے وسایل پر منحصر نہیں رہیں ہر جگہ سے قابل دماغ اور کارپرداز ہاتھ ان کے لیے جمع ہوئے اور انہوں نے سردار الاسلام کو اپنا وطن اور اپنا گھر سمجھا مگر جب نفسانیت خودغرضی عصبیت کا فتنہ اٹھا اور مسلمانوں میں مرز بوم رنگ و نسل کے امتیازات نے راہ پائی تو ایک دوسرے سے بغض و حسد کرنے لگے۔ دھیرے دھیرے بدگمانیوں اور سازشوں کا دور دورہ ہوا جو قوتیں دشمنوں کے خلاف صرف ہوتی تھیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگیں مسلمانوں میں خانہ جنگی برپا ہوئی اور بڑی بڑی اسلامی طاقتیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔

مغرب کی اندھی تقلید

آج مغربی قوموں سے سبق سیکھ کر ہر جگہ کے مسلمان نسلیت اور وطنیت کے راگ الاپ رہے ہیں عرب عربیت پر ناز کر رہا ہے مصری کو اپنے فراعنہ یاد آ رہے ہیں ترک اپنی ترکیت کے جوش میں چنگیز اور ہلاکو سے اپنا رشتہ جوڑ رہا ہے۔ ایرانی اپنی ایرانیت کے جوش میں کہتا ہے کہ یہ محض عرب امپیریلزم کا زور تھا کہ حسین اور علی (علیہما السلام) ہمارے ہیرو بن گئے حالانکہ حقیقتاً ہمارے قومی ابطال تو رستم و اسفندیار تھے ہندوستان میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنے آپ کو پہلے ہندوستانی اور پھر مسلمان کہتے ہیں وہ لوگ بھی یہاں موجود ہیں جو آب زمزم سے قطع تعلق کر کے اب گنگا سے وابستگی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو بھیم اور ارجن کو اپنا قومی ہیرو قرار دینگے اور کہتے ہوں

ترک و ایران و عرب مست فرنگ۔ ہر کسے را در گلو شست فرنگ
مشرق از سلطانی مغرب خراب۔ اشتراک از دین و ملت بردہ تاب

مگر یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ان نادانوں نے نہ اپنی تہذیب کو سمجھا ہے اور نہ مغربی تہذیب کو۔ اصول او حقایق ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں وہ محض سطح بیں ہیں اور سطح پر جو نقوش ان کو زیادہ نمایاں اور زیادہ خوش رنگ نظر آتے ہیں انہی پر لوٹ پوٹ ہونے لگتے ہیں انکو خبر نہیں کہ جو چیز مغربی قومیت کے لیے آب حیات ہے وہی چیز اسلامی قومیت کے لیے زہر ہے مغربی قومیتوں کی بنیاد نسل و وطن اور زبان و رنگ کی وحدت پر قائم ہوئی ہے۔ اس لیے ہر قوم مجبور ہے کہ ہر اس شخص سے اجتناب کرے جو اس کا ہم قوم ہم نسل ہم زبان نہ ہو، خواہ وہ اس کی سرحد سے ایک ہی میل کے فاصلہ پر کیوں نہ رہتا ہو وہاں ایک قوم کا آدمی دوسری قوم کا سچا وفادار نہیں ہو سکتا ایک ملک کا باشندہ دوسرے ملک کا سچا خادم نہیں بن سکتا کوئی قوم دوسری قوم کے کسی فرد پر یہ اعتماد نہیں کر سکتی کہ وہ اس کے مفاد کو اپنی قوم کے مفاد پر ترجیح دے گا مگر اسلامی قومیت کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے یہاں قومیت کی بنیاد نسل و وطن کے بجائے اعتقاد و عمل پر رکھی گئی ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان کسی جنسی امتیاز کے بغیر ایک دوسرے کے شریک حال اور معاون ہیں ایک ہندی مسلمان مصر دلیا ہی در داکا شہری بنکتا ہے جیسا کہ وہ خود ہندوستان کا ہے ایک افغانی مسلمان شام کی حفاظت اسی جانبازی کیسا تھ کر سکتا ہے جیسا کہ وہ خود افغانستان کے لیے لڑتا ہے اس لیے ایک ملک کے مسلمان کو دوسرے ملک کے مسلمان سے اجتناب کی کوئی وجہ نہیں ہے اس معاملہ میں اسلام کے اصول اور مغرب کے اصول ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔ جو وہاں سبب قوت ہے وہ یہاں عین سبب ضعف ہے اور جو یہاں مائیہ حیات ہے وہ وہاں بعینہ سم قاتل ہے۔ اقبال نے اس حقیقت کو کس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
انکی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

تاجدارِ دکن

از

جناب شوکت علی خاں صاحب فانی بدایونی
بی۔اے۔ ال ال بی

۱

اے فلک تو ہی کامیاب سہی — میری حالت بہت خراب سہی
نہ سہی زندگی حریفِ نشاط — میرا ہر سانس اک عذاب سہی
میری نظریں بغیر ذوقِ نظر — میری آنکھیں بغیر خواب سہی
سر میں اک شورشِ تلاشِ قرار — دل میں اک جوشِ اضطراب سہی
میری ہر سعی سعیِ ناشکور — میری ہر بات ناصواب سہی
نہ سہی التفات کے قابل — میں سزاوارِ اجتناب سہی
ننگِ ہستی وجود ہو جس کا — میں ہی وہ خانماں خراب سہی
جس سے دنیا ہو بے سبب بیزار — میں ہی وہ درخورِ عتاب سہی
نہ سہی میری بیکسی کا جواب — آپ اپنا ہی میں جواب سہی
تا نہ پاؤں سکون اک ساعت — ہر نفس صرفِ انقلاب سہی
تا نہ بیٹھوں کسی جگہ تھک کر — ذرّے ذرّے کو اضطراب سہی
میری محرومیاں سخن کوتاہ — بے شمار اور بے حساب سہی

کچھ سہی مغتنم ہے میری ذات — لاکھ رسوا سہی خراب سہی
کوئی پوچھے یہ ناز کیوں ہے تو پھر — یہ حقیقت بھی بے نقاب سہی
بندۂ بارگاہِ عثماں ہوں
ذرۂ خاکِ راہِ عثماں ہوں

۲

شاہ دیباچۂ شہریارِ دکن — صاحبِ تاج۔ تاجدارِ دکن
آصفِ سابع و نظام الملک — کارفرمائے روزگارِ دکن
تو ہے سلطان ذی وقارِ علوم — تو خداوندِ اقتدارِ دکن
تیرے دم سے ہے بزمِ عیش آباد — تیری ہستی ہے اعتبارِ دکن
تو ہے سرچشمۂ ہزار اعزاز — تو ہے سرمایۂ بہارِ دکن
تیری تقدیر سازگارِ مراد — تیری تدبیر سازگارِ دکن
چشمِ بد دور مرجعِ آفاق — نازشِ ہند و افتخارِ دکن
تیری اک اک بات ایک ایک کام — مژدۂ راحت و قرارِ دکن
جن مراعات کی نظیر نہیں — وہ مراعات ہیں بکارِ دکن
تو نے کایا ہی کچھ پلٹ دی ہے — چمنستان ہے کوہسارِ دکن
ہیں تری سرفرازیوں کے گواہ — قصر و ایوانِ زرنگارِ دکن
جم گئی جس طرف نگاہ گئی — عین منزل ہے رہگذارِ دکن

شاہ عثماں تجھے مبارک ہو — وسعتِ دولتِ دیارِ دکن
فیض جاری ترا شعار رہے — جاں نثاری رہے شعارِ دکن
مجھ کو نسبت تری جناب سے ہو
وہ جو ذرے کو آفتاب سے ہو

دولت علیہ آصفیہ کا ایک سرکاری مراسلہ

سرکار عالی کے نصائح انگریزی حکومت کو

(۲ تہہ)

علامہ حبیب اللہ العمادی کے

آصفجاہ خامس حضرت نواب افضل الدولہ بہادر مغفرت مکان کی حکومت نے کچھ مطالبات کئے تھے۔ یہ ایک تاریخی مراسلت ہے۔ جو سر جارج یول سی بی کے سی۔ ایس۔ آئی۔ رزیڈنٹ حیدرآباد کے نام بھیجی گئی تھی۔ اور فارسی زبان میں مرتب ہوئی تھی۔ تاریخ نے اس کو خاص اہمیت دی ہے۔ اہل نظر کے سامنے میں اس کو بلا صلہ پیش کئے دیتا ہوں کہ آپ اس آئینہ میں اس وقت کو خود دیکھ لیں۔ ایک تاریخی یادگار کی حیثیت میں فارسی زبان کے اس سرکاری مراسلہ کی تلخیص کرتے ہوئے مجھے صرف ایک کارنامۂ ماضی کا حال سنانا ہے۔ جس کے مطالب فقرا کے لئے میں نے ذیلی عنوانات قایم کردیے ہیں ملاحظہ ہو۔

مراسلۂ سرکار عالی صاحب من! گورنمنت نظام را با سماع این خبر کمال افسوس شد که درین دو سال ان اڑیسہ و بنگالہ را که زیر حکم گورنمنت برٹش انڈیا باشد، بسبب مصائب قحط حال تباہ است، بیان حکومت بنگالہ این است که در ملک اڑیسہ رفتہ رفتہ شش لک مردم بسبب گرسنگی مردند منقول مسٹر لون خاہ است که دہ لک زن و مرد از جان گزشتند سوائے ازین در قلمرو سرکار انگریزی بر اکثر باشندگان بلاد این مصیبت افتادہ است، کسانے که جان خیرین خود را بخوا بمیر واند پانزدہ لک بشمار آمدہ، این ممکن نیست که بشنیدن این حوادث غم اندوز گورنمنت نظام را ملامت رنج و الم نباشد، یا آنکه از متوجه کرمت سرکار انگریزی بلا تہیۂ کمک درین چنین سوانح عظیمہ اغنونہ و خاموش نشینند

بد انتظامی پر خاموشی مناسب نہیں مناسب نیست در ملک همسایه سلطنت ما نہایت قریب باشد و بد انتظامی و غفلت دران بود گورنمنت ما سکوت ورزد و از کردار ناظمان ملک مذکور تیرے و اطلاعے ندہد، خواہش گورنمنت ما این است که نه فقط در قلمرو خاص ما ملکہ در تمام ہندوستان امن و امان باشد و رعایا شادان و فرحان مانند مگر تا وقتیکہ سرکار انگریزی بتوجہ نخواہد شد بمقصودی نخواہد کرد، حصول این چنین برکات عظیمہ غیر ممکن خواہد بود

ادائی فرض سے غفلت رائی گورنمنت نظام این است که فرض اول بر بادشاہان است که جانہائے رعایا را محفوظ دارد و درمیان حکم اندر سرایا سوائے خوشی و بہبود نرسیدن نتوانند این سخن بیش از حد ملال می بخشد که خواہی نخواہی گورنمنت ما را خیال می گزرد که امسال گورنمنت برٹش انڈیا لحاظ این امر ضروری نفرمودہ است بہمیں وجہ عالم کثیر در مصائب مبتلا گردیدہ۔ خبرگیری ملوک مردم کارے است عظیم فرضے است واجب که از طرف خداوند عالم اہتمام آن بسپرد سلطان عہد است، اگر رفیقے ثابت قدم ہمچو گورنمنت برٹش انڈیا آن فرض را با حسن اسلوب ادا نفرماید گورنمنت ما نسبت آن چہ خواہند گفت۔ سوائے این که آثار خرابیہائے سخت بہ نظر می آید۔

انگریزی حکومت کو سرکار عالی توجہ دلاتی ہے این نقطہ مرتبہ ادنیٰ تا شدید بلا حوال ملکہائے انگریزی دکانے برٹش گورنمنت ہندوستانی

گورنمنت ما توجہ کردہ باشد، بلکہ چند سال گزشتہ باشد که بایاعث محبت قدیمہ دوستانہ بجانب این امر متوجہ شدہ بودیم۔

انگریزی حکومت اور ہندوستانیوں کے درمیان صلح ہوجائے متوجہ شدہ بودیم که گورنمنت برٹش انڈیا را از جنگہائے بیجا و غار و نہب باز دارم و برائے باز داشتن از نتایج بد انتظامی مدت دراز، بفیاضی حکومت خویش بیان دراکیم و مصالحت ترا کیم بر حسب دواب ما در جنوبی ہند چہ امن امان خبر و فوج و فساد را ندکیفی و عناد از دلہا گسستہ شد، بعض راجہ ہا پیروی ما کردہ در ملک محروسہ خود امن داشتند و شورش شدن ندادند۔

سرکار عالی کا احسان مابین گرنہ گورنمنت برٹش انڈیا را از مصائب خطرناک محفوظ داشتیم بعضے از دیگران از جادۂ اطاعت قدمے بیرون نہادن نگرفتند اگرچہ دران وقت در وسط ہند ہنگامہ جنگ و جدال برپا و رعایا بند از حکام انگریزی کمال ناخوشنود و بدگمان بود۔

گورنر جنرل نے انگلستان کو غلط خبر دی این گورنمنت را اطلاع شدہ است که چند ماہ پیشتر ازین ہنگامہ که بباعث آن ہندوستان سالہا سال در خوف و خطر مبتلا بودہ است گورنر جنرل بہادر برٹش انڈیا بخداوند نعمت خود ملکہ معظمہ دام اقبالہا را نوشتہ بود که در جمیع سلطنتہائے ہندوستانی محروسہ حضور محتشم الیہا امن و امان است و رعایا و برایا با انصاف شادان و فرحان است، این که گورنر جنرل بہادر خبر راست را مخفی کردند چون درین امر غور کردہ خود وجہے یافت نمی شود، بارے از فضل و کرم خداوند کریم آن ما از جلیل القدر از شرارۂ فساد بر آن شدہ نجات یافت

ہوس ملک گیری گورنمنت برٹش انڈیا که اسلاطین فرنگ بوار خود دائما می جنگید و در خصومت معروف بودہ است۔ ارادۂ افزونی ممالک خود می داشت و کسانے در وسعت ملک رسی اند خیال آسایش و آرام رعایا کمتر می داشت و قدم بر منفعت خویش می گزاشت و لیاقت حکمرانی دیگر گورنمنت برٹش انڈیا را بر ملک ماتحت خود بہ بہترین وجہ حاصل بود، آن ہمہ بر گورنمنت ما بخوبی روشن ماند۔

نتیجہ کیا نکلا تا مدت دراز گورنمنت ما بکمال رنج و تاسف می دید که گورنمنت برٹش انڈیا را اکثر ارادہ شد که ملک ہمسایگان بے قصور خود را فتح کنند و ضبط نماید که افزایش محاصل شود و از تشویش اہتمام و تفہیم خلاصی یابد، رفتہ رفتہ اکثر چنین معاملات پیش آمدند و طور دیگر چنانکہ اندیشۂ گورنمنت ما راست آمد یعنے ہر علت دست اندازی که در دیگر ملکہا قرار دادہ بود بسبب غفلت انتظام خود در رفاہ ایشان ظاہر شد و نتیجہ ان شد که برٹش انڈیا را قرض بسیار گردیدہ و در محاصل نقصان کلی آمد، و اکثر مردم را بدگمان و ناراض یافتند"۔ مراسلہ بہت طویل ہے اور وقت بہت ہی کم اگر ہوس است ہمیں قدر بس است۔ انشاء اللہ باقی ہو س باشد

لے۔ اس مراسلہ کا انگریزی ترجمہ حیدرآباد افیئرز میں شائع ہو چکا ہے اور اس عہد کے انگریزی اخبارات میں بھی اسکو شائع کیا تھا۔

احمد آباد
کیالیکو - جوبلی - اینڈ آشر ملز
ہندوستان کے ان مشہور و معروف ملز کا تیار کردہ پارچہ
(ہماری دوکان میں راست طور پر درآمد کیا جاتا ہے)
کپڑا خریدنے سے پہلے آپ اس پر غور کر لیجئے
روپیہ کی بچت کے علاوہ حسب خواہش پارچہ جب آپکو ملسکتا ہے تو پھر آپ بدیسی کپڑے پر کیوں زیادہ روپیہ خرچ کرتے ہیں
حسب ذیل مختلف اقسام کے بہترین پارچہ جات موجود ہیں
شرٹنگس
لانگ کلاتھ
سوٹنگس
پاپلن
ساڑیاں
دھوتیاں
وائل
پلنگ پوش
ساٹن ڈرل
توال
ململ
دستیاں
رنگوں کی سو فی صدی ذمہ داری۔ دلکش ڈزائن و پائیدار
سینے کے تاگہ کے ریل و بنڈل مختلف رنگ قیمتیں بالکل واجبی
یس نانالال اینڈ کو سول سلنگ ایجنٹس احمد آباد کیالیکو جوبلی
اینڈ آشر ملز۔ ساہوکاری بلڈنگ پتھر گٹی دوکان نمبر ۲-۱۱ و ۲-۱

مبارکباد سالگرہ

از حضرت حکیم آزاد انصاری

اے بادشاہ دوراں! سالِ گرہ مبارک | اے خیر خواہ گیہاں! سالِ گرہ مبارک
اے دیں پناہ سلطاں! سالِ گرہ مبارک | اے علم دوست خاقاں! سالِ گرہ مبارک

اے شہریار ذیشاں! سالِ گرہ مبارک
اے شاہ میر عثماں! سالِ گرہ مبارک

اے شاہ صاحبِ تاج! اُنچاسویں گرہ ہے | رشتے میں عمر کے آج اُنچاسویں گرہ ہے
خوش ملک، شاد ہے راج، اُنچاسویں گرہ ہے | خوش قسمتی کی معراج اُنچاسویں گرہ ہے

اے شہریار ذیشاں! سالِ گرہ مبارک
اے شاہ میر عثماں! سالِ گرہ مبارک

پنجاہمیں گرہ کا آغاز سال ہے آج | پھر اوج شانِ شہ کا آغاز سال ہے آج
پھر گردِ مہر، مہ کا آغاز سال ہے آج | پھر سعیِ قطع رہ کا آغاز سال ہے آج

اے شہریار ذیشاں! سالِ گرہ مبارک
اے شاہ میر عثماں! سالِ گرہ مبارک

خوش قسمتی سے روز میلاد شاہ ہے آج | نو روز بادشاہ عالم پناہ ہے آج
لطف و خوشی کا منظر پیشِ نگاہ ہے آج | ہر فکر کارِ عصیاں، ہر غم گناہ ہے آج

اے شہریار ذیشاں! سالِ گرہ مبارک
اے شاہ میر عثماں! سالِ گرہ مبارک

خوش ہوں تو کیا عجب ہے، سچی خوشی کا دن ہے | ہاں فضلِ رب ہے، سچی خوشی کا دن ہے
طوفان صد طرب ہے، سچی خوشی کا دن ہے | سچی خوشی کی شب ہے، سچی خوشی کا دن ہے

اے شہریارِ ذیشاں! سالگرہ مبارک
اے شاہ میر عثماں! سالگرہ مبارک

اے رشک باغ جنت اقلیم تیرے دم سے | اے امن و عافیت کی تنظیم تیرے دم سے
انعام تیرے دم سے تفہیم تیرے دم سے | تدریس تیرے دم سے تعلیم تیرے دم سے

اے شہریارِ ذیشاں! سالگرہ مبارک
اے شاہ میر عثماں! سالگرہ مبارک

آزاد! دیکھ عالم کس درجہ کیف زا ہے | عشرت کا ولولہ ہے، شادی کا غلغلہ ہے
چاروں طرف دکن میں ایک شور سا بپا ہے | ہر دل کی یہ دعا ہے، ہر لب پہ یہ صدا ہے

اے شہریارِ ذیشاں! سالگرہ مبارک
اے شاہ میر عثماں! سالگرہ مبارک

غزل

از جسٹس نواب اصغر یار جنگ بہادر اصغر

قیامت تھا مریضِ غم کا وہ خاموش ہو جانا | پھر آکر ہوش میں بیہوش کا بیہوش ہو جانا
مبارک ہو نوید وصل پر مدہوش ہو جانا | بھنور میں ڈوب کر گم گشتۂ آغوش ہو جانا
یہ حالت شمع کی ہے انجمن کی بے ثباتی پر | کبھی ہنسنا کبھی رونا کبھی خاموش ہو جانا
ستم ہے ذرہ ذرہ میں کسی کا جلوہ گر ہونا | قیامت ہے نقابِ حسن میں روپوش ہو جانا
کوئی اعجاز ہے یا دخترِ رز کا تصرف ہے | جناب واعظ گمراہ کا مے نوش ہو جانا
گناہوں کا مرے گردن پہ اصغر بوجھ کیا کم ہے | ستم اس پر فرشتوں کا ہی بار دوش ہو جانا

ابن رشد

از

نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹر ایٹ لا معتمد محکمۂ عدالت و کوتوالی و امور عامہ

فرزندان صحرائے عرب کی شائستہ ذہنی قوت کا غایت درجہ دلکش اور تابناک نظارہ بلا امتیاز عقیدہ و نسل و رنگ، دنیا کے تمام اہل علم سے ہمیشہ ستائش اور اعتراف کا خراج حاصل کرتا رہے گا۔ متعصب مبلغین کی بدولت فلسطین میں جو صلیبی لڑائیاں ہوئیں۔ انمیں تو ایک شرافت آمیز بہادری کی روح موجود تھی جسے بدقسمتی سے ہماری موجودہ بے حس اور مادی تہذیب برباد کر رہی ہے مگر اسپین کی مذہبی عدالت اور بلقان کی لڑائیاں جو پوپ کی حکومت کے اقتدار کا نتیجہ تھیں اور جن میں غیر معمولی مذہبی تعصب کار فرما تھا۔ اس وحشتناک طریقہ سے جاری رکھی گئیں کہ انسانیت کے ابتدائی دور میں بھی نہ دیکھی گئی ہونگی مذہبی عدالت نے دوستوں اور دشمنوں کیساتھ یکساں تشدد کا برتاؤ کیا اور چونکہ اس کے ساتھ ہی اسلامی قوت کا وہ حیرت انگیز اور سریع ارتقا بھی اسی قدر سرعت کے ساتھ پستی کی جانب مائل ہوگیا جو ایشیا و یورپ اور افریقہ کے تینوں براعظموں پر مسلط ہو کر عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں سے بحر اٹلانٹک کے کنارے اندلس کے زرخیز میدانوں تک پھیل گیا تھا۔ لہذا مذہبی ظلم و ستم کی تمام مختلف النوع سختیاں ابتداءً مسلمانوں کے کامل اخراج کے لئے وقف کر دی گئیں اور اس طوفان میں اُن لازوال اور عظیم الشان احسانات کو بھی نظر انداز کر دیا گیا جو مسلمانوں نے انسانیت پر کئے تھے۔ اگرچہ اس سے عربوں کی سیاسی فوقیت تو ہمیشہ کیلئے متزلزل ہوگئی تاہم دنیا اپنے دل میں شکر گزاری کا احساس رکھتی ہے کہ انہوں نے جو علمی پودے لگائے تھے وہ سرسبز و بار آور ہوئے۔

اگر عربوں نے بھی اپنے فرنگی معاصرین کی طرح تعصب اور ذہنی جمود کا اظہار کیا ہوتا تو روم اور یونان قدیم کے شاندار علوم اور تہذیب بالکل ختم ہو جاتے لیکن یہ حضرت پیغمبر اسلام کی بلند پایہ شخصیت (جس سے زیادہ عالی شان شخصیت دنیا نے کبھی نہیں دیکھی) کا اثر تھا کہ صحرائی بدوؤں نے ہر انسانی جدوجہد میں اپنی مردانہ قوت کا زبردست اظہار کیا، اور اپنے آپ کو دنیا کی ذہنی اور روحانی زندگی پر تسلط رکھنے کا سب سے زیادہ اہل ثابت کر دکھایا۔

المقری نے اپنی کتاب نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب میں (جو اسپین کے عرب خانوادوں کی مشہور تاریخ ہے) اُن نامور مسلمان علماء کی ایک مکمل فہرست پیش کی ہے۔ جنھوں نے یونان کے قدیم فلاسفہ کو گمنامی سے نکالا اور انکی یادگار تصانیف کے تراجم شروح اور تفاسیر لکھ کر اُن کو آیندہ نسلوں کیلئے محفوظ کر دیا۔ اس معاملہ میں ابن رشد اپنے معاصر مصنفین میں سب سے آگے نظر آتا ہے۔

ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد جو قاضی ابو الولید ابن رشد کے نام سے مشہور ہے ۱۱۲۶ء مطابق ۵۲۰ھ میں بمقام قرطبہ پیدا ہوا وہ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا جسے اپنے خالص عربی خون پر فخر تھا۔ ابن رشد ایک نہایت قابل اور ہونہار نوجوان اور ایک زبردست اور تیز قوت حافظہ کا مالک تھا۔ ابتدائی عمر ہی سے اس میں ایک شاندار علمی زندگی کے آثار ہویدا تھے۔ ایک مشہور عربی نقاد مورخ لکھتا ہے کہ

”حافظہ منجملہ اُن مواہب کے ہے جو خدائے تعالیٰ نے اندلسیوں کو نہایت فیاضی کے ساتھ عطا کئے ہیں اور انکی تاریخ ایسے شعراء اور مصنفین کے اذکار سے بھری پڑی ہے جو واقع میں حیرت انگیز قوت حافظہ رکھتے تھے“

اگر ہم ان ممتاز لوگوں کی تاریخ کا عمیق مطالعہ کریں تو ہم اس خصوصیت کو تمام قوم کی مشترکہ میراث پاتے ہیں۔ لیکن ہسپانوی عرب خصوصیت کے ساتھ جس چیز میں ممتاز تھے وہ علمی تحقیقات سے انکی زبردست محبت تھی اس نوجوان نے اپنے خاندان کے بزرگوں کی ہمت افزائی سے قرطبہ کے مشہور و معروف فقہا، (دینیات اور قانون شریعت کے ماہرین) کی صحبتوں میں آنا جانا شروع کیا۔ قرطبہ اس زمانہ میں براعظم یورپ کا سب سے بڑا علمی مرکز تسلیم کیا جاتا تھا۔ طلیطلہ اور قرطبہ کی عالمگیر عربی یونیورسٹیوں میں روم اور یونان کی قدیم ذہنی عظمت محفوظ تھی۔ ارسطو اور افلاطون کی تصانیف کا نہایت عرق ریزی کے ساتھ مطالعہ کیا جاتا اور ان پر تنقیدی تحقیق کیجاتی تھی۔ یہ عربوں کی غیر فانی رواداری اور روشن خیالی کی زبردست مثال ہے کہ انہوں نے علم کی مشعل کو اس قدر بلند کیا کہ اس سے سارا یورپ روشن ہوگیا۔ اور جسکی رہنمائی سے عیسائی طلبہ اس قابل ہوئے کہ وہ پیدل راستہ کی تکالیف اور خطرات کا مقابلہ کریں اور علم کے ان چشموں سے خوب سیر ہو کر پیئیں۔

ایک یورپین مصنف جو قرون وسطی کے مذہبی تعصبات سے بالکل بری ہے۔ تمام سچے حوصلہ مند اہل علم کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ عربی علم و تہذیب کی چنگاریوں کو جو ابھی تک روشن ہیں بجھنے نہ دیں۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ ”یہ عربوں کی فہم و فراست اور محنت و جستجو ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم تحقیق و انکشاف کے ذریعہ دور حاضرہ کی اہم اور مفید ایجادات کو پیش کرنیکے قابل ہوئے“، کوئی تعجب کی بات

ہیں سمجھتے انہی اپنی فضا سے مخمور ہو کر اور ایسے ہی تنگ ماحول میں رہکر ابن رشد نے اپنی دماغی قوتوں کو صداقت کی تلاش کے لئے وقف کر دیا ہو۔ اپنی نرالی طرز کی طالب علمی کے زمانہ میں جبکہ ایک حقیقی طلب گار علم کو عالی دماغ اساتذہ کی نازک مزاجیاں بخوشی برداشت کرنی پڑتی ہیں اور ادنیٰ چاکروں کی طرح انکی خدمت بجا لانی ہوتی ہے۔ ابن رشد کے زبردست استقلال کی غیر معمولی ذہنی قابلیت اور قوت استدلال نے عظیم الشان مفکر ابن باجہ کی توجہ اپنی طرف منعطف کرالی اور عزت کے ساتھ اسکے دل میں گھر کر لیا۔ ابن باجہ نے اسکو فوراً اپنی نگرانی میں لیلیا اور اسکی سرپرستی قبول کی۔ عربی طریقۂ تعلیم کے مطابق اس نے ابتداءً دینیات، فقہ اور فن مناظرہ سیکھنا شروع کیا۔ اس نے اتنی جلد ترقی کی اور اس قدر کمال حاصل کیا کہ اس کے استاد مشہور فقیہ حافظ ابو محمد ابن رزق نے اپنے شاگرد کی قابلیت کا اعتراف اور احترام کرتے ہوئے ایسے فقیہہ کا رتبہ دینے کی تحریک کی جس کے لئے لوگ تمنائیں کرتے تھے چنانچہ ایک کھلے ہوئے سخت امتحان کے بعد اندلس کے تمام نامور علماء کی متفقہ رائے سے یہ منصب اس کو عطا کیا گیا۔

نسبتہً بہت کم عمری میں اتنا بڑا امتیاز حاصل کرنے سے بھی وہ مطمئن نہیں ہوا۔ یہ امتیاز ابتداءً ان لوگوں کو حاصل ہوتا تھا جو صرف تفسیر قرآن اور علم حدیث کے ماہر ہوتے تھے۔ لیکن بعد میں بتدریج اسے علم کی دوسری شاخوں تک بھی وسیع کر دیا گیا۔ ابن رشد اپنے ان مذہبی امتیازات پر قانع رہنے کے لئے تیار نہ تھا اسے علم کی غیر معمولی پیاس تھی اور اس دور کے یگانۂ روزگار مفکرین کی جماعت میں شریک ہونے کے بعد تو اسکے اندر علم کے حصول خواہش نے اور بھی شدت اور وسعت اختیار کر لی۔

ابن رشد نے جس فن کو ہاتھ لگایا اس میں انتہا کو پہنچے بغیر دم نہ لیا۔ ابو مروان ابن زہر کی گاڑھی دوستی نے اسے علم طب کی طرف متوجہ کر دیا اور ابن رشد نے تحقیق و جستجو کے ساتھ ماہرانہ طریقہ پر اسکی تکمیل کی ابن رشد کی دلی خواہش پر ابن زہر نے اپنی کتاب فی الامور الجزئیہ کو اسکی کتاب الکلیات کے ساتھ بطور ضمیمہ ملحق کر دیا۔ اس زمانہ میں جبکہ طب کی تکمیل کا سلسلہ جاری تھا، اس نے حریصانہ شوق کے ساتھ امام ابو جعفر بن ہارون ترجالی سے حیوانیات و علوم طبعیہ، اور ارسطو افلاطون اور دوسرے حکماء یونان کی حکمت فلسفہ پر عبور حاصل کیا۔ چونکہ وہ فطرتاً ایک بہادر اور نڈر طبیعت رکھتا تھا اسلئے فلسفہ کے مطالعہ نے تمام رواجی توہمات مذہبی سے اسکے ذہن کو آزاد کر دیا۔ ابن رشد تمام ذاتی خطرات کو حقیر سمجھتا تھا۔ نہایت بے باکی کے ساتھ ہر کسی سے مسائل فقہی پر مباحثہ کرنے کیلئے ہمیشہ طیار رہتا تھا قرطبہ کے بادشاہ المنصور اور اس کے بیٹے الناصر نے جو علم و ادب کا وسیع النظر مربی تھا ہمیشہ ابن رشد کا بڑا احترام اور لحاظ رکھا اور اسکی ہمہ گیر قابلیت کے مدنظر اسے پہلے اشبیلیہ اور بعد میں خود اپنے دار السلطنت قرطبہ کی قضاۃ کا عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا۔ لیکن اس کے نام نہاد ملحدانہ خیالات کے خلاف لوگوں کا غصہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ المنصور اسکو نظر انداز نہ کر سکا غصہ کی یہ آگ تنگ نظر مذہبی لیڈروں نے بھڑکائی تھی۔ اور پبلک مطالبہ کی تکمیل کے لئے ابن رشد کو قرطبہ سے نکال کر قریب کے ایک شہر البانیہ میں بھیج دیا گیا مگر کچھ عرصہ بعد ہی اسے معافی دیدی اور واپس بلا لیا گیا۔

ابن رشد کی فرانس اور جرمنی میں بڑی ستائش ہوتی ہے۔ اسکی وہ پُر مغز تصانیف جو ارسطو، افلاطون، نیقولاؤس اور جالینوس کی تصانیف پر مبنی ہیں اور اسکے وہ مباحثات جو مشرق و مغرب کے ہم عصر آزاد خیال عرب مفکرین کے ساتھ ہوئے ہیں کثرت کے ساتھ جرمن اور فرنچ میں منتقل کر دیئے گئے ہیں؛ اور ان کو پسند کیا جاتا ہے۔

درحقیقت افکار فرنگ میں اسے ایک ایسا درجہ دیا گیا ہے جو شاید ارسطو کے بعد دوسرا ہے: نامور مصنف رینان، اپنی مشہور تصنیف "ابن رشد اور اس کا فلسفہ" میں اس زبردست مسلم فلسفی کے زمانہ اور اسکی حیات کے متعلق لکھتے ہوئے اسکی اس گرفت کا ذکر کرتا ہے جو یورپ کے توہم پرستوں پر اس نے حاصل کر لی تھی۔ عیسائی اسپین کی متعصبانہ و مجنونانہ تباہ کاری کے بعد اسکی جو کتابیں بچ رہی ہیں انمیں سے قابل ذکر یہ ہیں۔

(۱) کتاب الکلیات جو فن طب میں ابن سینا کی کتاب الارجوزہ کی ایک بسیط شرح ہے۔

(۲) کتاب الحیوان جو ارسطو کی طبیعیات اور الٰہیات پر مبنی ہے۔

(۳) کتاب الضروری فی المنطق جو نیقولاؤس کی تلخیص الٰہیات سے ماخوذ ہے۔

(۴) ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعیات کی تلخیص

(۵) ارسطو کی کتاب السماع الطبیعی کی شرح

(۶) ارسطو کے رسالہ السماء والعالم کی شرح۔

(۷) ارسطو کی کتاب النفس کی شرح

(۸) المسائل المہمہ علی کتاب البرہان لارسطو

(۹) شرح کتاب القیاس الارسطو

(۱۰) تلخیص کتاب الاسطقسات لجالینوس۔

(۱۱) تلخیص کتاب المزاج لجالینوس

(۱۲) تلخیص کتاب القوی الطبیعیہ لجالینوس

(۱۳) تلخیص کتاب العلل والاعراض لجالینوس۔

(۱۴) تلخیص کتاب التعرف لجالینوس

(۱۵) امام غزالی کی تہافتہ الفلاسفہ کا رد

(۱۶) فصل المقال فی مابین الحکمتہ والشریعت من الاتصال

(۱۷) مقالہ فی العقل

(۱۸) ایک کتاب اس امر کی تحقیق میں کہ جو عقل ہمارے اندر ہے آیا وہ صور مفارقہ کا تعقل کر سکتی ہے یا نہیں

(۱۹) ایک مقالہ اس بحث میں کہ مشائین و متکلمین اسلام عالم کے متقارب فی المعنی ہونے کی کیفیت کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے تھے۔

(۲۰) مقالہ فی اتصال العقل المفارق بالانسان

(۲۱) مراجعات و مباحث بین ابی بکر ابن الطفیل و ابن رشد فی رسم للدواء

(۲۲) مقالہ فی حرکت الفلک

(۲۳) مسئلہ فی نوائب الحمّیٰ و مقالہ فی حمیات العفن

دینیات، طب، علوم طبیعیہ اور اخلاقیات کے متعلق اس کی کتابوں کے بعض تراجم کا احتیاط کے ساتھ مطالعہ کرنے سے یہ ظاہر ہوگا کہ حقیقت میں ابن رشد ایک آزاد مفکر تھا اس معنی میں کہ اسکی زبردست تربیت یافتہ قوت استدلال اور اسکے صاف ملکۂ فہم و فراست نے اسکو مذہبی توہم کی ہر شکل سے آزاد کر دیا تھا۔

اس کے سنجیدہ اور مدلل خیالات کو ان مذہبی آدمیوں نے گناہ آمیز اور خطرناک قرار دیا جو عوام پر اپنا اثر و اقتدار جمانا چاہتے تھے تحصیل علم کے سلسلہ میں وہ کسی پابندی کو بری نظروں سے دیکھتا تھا۔ مثلاً اس زمانہ میں تشریح کے علم اور عمل کو مذہباً ممنوع سمجھا گیا تھا۔ کیونکہ ایک لاش کی چیر پھاڑ مردے کے احترام کے خلاف تھی اور یہ عقیدہ تھا کہ اگر لاش کی قطع و برید ہوئی یا اسے کسی طرح برباد کر دیا گیا تو پھر وہ حشر کے دن نہ مل سکیگی اس نے اس عقیدہ کو بالکل لغو اور مہمل قرار دیتے ہوئے یہ یقین دلایا کہ اگر مذہب کے بیوقوف اور خودغرض

معاصروں نے اسکے احکام کی غلط تعبیر کی تو یہ خود دینیت کا قصور نہیں ہوسکتا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "جو شخص فن تشریح کا مطالعہ کرے گا اسکو اللہ کے ہاں اور زیادہ درجات عطا ہونگے۔" اس کا یہ بھی ایقان تھا کہ ہر فانی انسان کو اس کے اچھے یا بُرے اعمال کے لحاظ سے اس دنیا میں نہ کہ موت کے بعد سزا یا جزا ملتی اور وہ ہمیشہ اس شخص کو نفرت سے دیکھتا تھا جو صرف آیندہ جزا کی توقع یا سزا کے خوف سے پاکیزہ زندگی بسر کرتا ہے اس نے کھلم کھلا اعلان کیا تھا کہ جبتک کہ مجھے مطمئن نہ کر دیا جائے کسی سزا کا خوف یا انعام کا لالچ خواہ وہ اس دنیا میں ہو یا اس دنیا کے بعد مجھکو اپنے خیالات سے برگشتہ نہیں کرسکتا بقائے روح کا بھی وہ قائل نہیں تھا۔ اس قسم کے خیالات سے ایک بڑی غلط فہمی پیدا ہوئی کہ یہ ابن رشد کے ملحدانہ رجحانات کا کافی ثبوت ہیں۔

درحقیقت تمام وہ مسلم اور غیر مسلم علما جنہوں نے عقلی رنگ میں مذہب تک رسائی کرنے کی جراءت کی اور اس میں اصلاح کرکے اسکی قدیم عظمت و شان کو برقرار رکھنے کی کوشش کی وہ مذہب سے خارج کئے گئے اور ملحد قرار دیئے گئے ابن رشد اسلامی تعلیم کے مطابق بغیر کسی پس و پیش کے خدا کے وجود کا قائل اور پیغمبر اسلام کا سچا پیرو تھا۔ وہ ایک صحیح الفکر پکا مسلمان تھا۔ مگر اندھے اور جاہل مقلدوں کا اتنا ہی سخت مخالف بھی تھا۔

ابن رشد کو جو زبردست وقار حاصل ہے وہ زیادہ تر اسکی شرحوں کی وجہ سے ہے جو فلاطون کی جمہوریت اور ارسطو اور دوسرے قدیم فلسفیوں کی تصانیف پر کئے گئے ہیں اس نے اشراقیت سے اخذ کردہ اصولوں کے ساتھ ارسطو کے فلسفیانہ خیالات کو تطبیق دینے اور ان میں ترمیم و اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے اسکے جدید اور مدلل اصول و عقائد کو یورپ کے تمام اہم مذاہب حکمت نے قبول کرلیا تھا۔ لیکن انسان کی ذہنی ترقی کے ساتھ جھگڑے پیدا ہوئے اور ایک علیحدہ فرقہ وجود میں آیا جسکے پیرؤں کو پیروان ابن رشد کہتے ہیں۔ عرب فلسفی کے اس بڑھتے ہوئے اقتدار سے پوپ کو خطرہ پیدا ہوا اور مذہبی فوقیت کے حق میں اسے خطرناک سمجھکر پوپ لیو دہم نے سنہ ۱۵۱۳ء میں ایک فرمان شایع کیا۔ جس میں ابن رشد کی تصانیف کو پڑھنے کی ممانعت کی گئی تھی۔ ابن رشد اس غیر معمولی طریقہ سے عیسائیوں اور یہودیوں میں ہر دلعزیز ہو گیا تھا کہ اتنی حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود پوپ اسکی تصانیف کو برباد نہ کرسکے اسی طرح کی کوشش اسپین کے کارڈنل اکزیمینز نے بھی کی تھی مگر اس کے زبردست مذہبی جنون کو دنیا سے علم کے بیش بہا خزانے چھین لینے میں اس سے زیادہ افسوسناک کامیابی حاصل ہوئی تھی ایک زبردست فرانسیسی مورخ اس ناقابل تلافی نقصان کا حسب ذیل الفاظ میں ذکر کرتا ہے۔

"کارڈنل اکزیمینز کے بربریت آمیز فرمان سے عمومی طور پر ادب اور اسپین کی تاریخ اور آثار عتیقہ کو جو زبردست ترین نقصان پہونچا اسکی تلافی کی کبھی کوشش نہیں کیگئی اس فرمان کی روسے ۸۰ ہزار عربی کتابوں کو غرناطہ میں برسرعام جلا دیا گیا بہانہ یہ تھا کہ ان میں کتاب مقدس کے خلاف عقائد ہیں پھر جو کتابیں بچ رہی تھیں وہ بھی تلاش و تجسس سے حاصل کرکے جلادی گئیں عربی زبان کو ایک بد اعتقاد اور گردن زدنی قوم کی ناشایستہ زبان قرار دیا گیا جو کسی طرح عیسائیوں کیلئے سیکھنے کے قابل نہ تھی......"

رو بلیس جس نے ماسڈان، کارڈون بارسیون اور کونڈی کے ساتھ دنیا کو اس عہد کی تاریخ سے غیر جانبدار طریقہ پر واقف کرنے کے لئے بڑا وقت صرف کیا ہے۔ لکھتا ہے کہ

"کارڈینل اکزیمینز ۸۰ ہزار نہیں بلکہ ایک لاکھ پانچ ہزار عربی جلدوں کو برباد کرنے کا ذمہ دار ہے۔"

ابن رشد نے، جسے ابن سعید احترام آمیز ستایش کے ساتھ فلسفہ طبیعی کا شہزادہ کہتا ہے اسی برس زندہ رہنے کے بعد مراقش میں سنہ ۱۱۹۸ عیسوی میں وفات پائی۔

استاذی پروفیسر اسپیٹ نے مجلہ عثمانیہ نمبر اول میں ایک پاکیزہ نظم (سا لیوٹیشن   ) کے عنوان سے لکھی تھی جسے پڑھنے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجرمی حضرت سلطان العلوم کے حضور سچے جذبات پیشکش نیاز لایا ہے۔ نظم میں اتنا معیاری کیف ادب اور ایسی سچائی ہے کہ اس کا لفظ لفظ دل میں اتر جاتا ہے اور پڑھنے والے کو اندازہ ہوتا ہے کہ جامعہ عثمانیہ کا قیام دراصل کیسی مبارک شے ہے۔ اسی تاثیر میں مترجم نے یہ کوشش کی ہے کہ وہ اعلیٰ جذبات اردو میں بھی آجائیں مگر جہاں یہ کم سواد زبان انگریزی ادب کے نازک اشاروں کو ادا کرنے میں ہیٹی رہی وہاں تکمیل مطالب کے طور پر خاکسار نے اپنے دل پارے بھی جوڑ دیئے ہیں کیا عجب ہے کہ سلطان العلوم کے عموم فیضان کے طفیل یہ حقیر کوشش مشکور ہو جائے۔ (باقی)

مدحتِ شوکتِ سلطان کے لئے ہے دستور
عرشِ تخیل پہ ہر وقت ہو سرگرم خرام
کہ ہو آراستہ حسنِ تصور شاعر
بزم جمشید کے پُرجوش اڑائے ساغر

جگمگاتے ہوئے تاروں کی درخشانی کو
بلبلِ زار کی آشفتہ نوائی کے لئے
صبح صادق کے اجالے پہ تصدق کر دے
بادۂ کیف سے پیمانۂ حیرت بھر دے

سنبل و نرگس و ریحاں ہوں ثنا خوان گلاب
اس طرح حکم قضا میں ہو تغیر پیدا
اشک افشانیٔ شبنم میں ہو اک کیف شراب
رُخ خورشید کو شرمائے ضیائے مہتاب

لیکن اے شاہ تمہارے ہیں نرالے انداز
نوجوانوں کو عطا کیں وہ نگاہیں تم نے
تم کو آزادیٔ تخئیل سے ہے راز و نیاز
جذبۂ قربان ہے سو جان سے مذاقِ پرواز

ان کو دے کر خطِ آزادیٔ دل اور دماغ
نقشۂ کذب و تملق کو مٹا کر دل سے
علم کی دولتِ عالی سے سرافراز کیا
تم نے حق گوئی و تحقیق کا در باز کیا!

قفسِ جہل کی تاریک فضا سے نکلی
زندگی نے دلِ مایوس سے کیا پائی نجات
روحِ آزاد کفِ دستِ قضا سے نکلی
کشتیٔ عمرِ رواں ایک بلا سے نکلی

چھوڑ دی علم نے اب رسم پرستی اپنی | دی بدل اب عمل و ہوش نے مستی اپنی
نوجوانوں نے سمندر کی طرف رُخ بدلا | ڈالدی گرمیٔ طوفان میں کشتی اپنی

ساحل علم سے اب ذوق نظر لائیں گے | جگمگاتے ہوئے دامان گہر لائیں گے
کامیابی سے جو کٹ جائیگا طوفان حیات | قدم شہ کے لئے کاٹ کے سر لائیں گے

عزو تنظیم کے آئین سے واقف ہونگے | قصر اخلاق کی تزئین سے واقف ہونگے
نورِ ایمان سے ہونگے دل و سینہ معمور | علم دنیا کے سوا دین سے واقف ہونگے

قصر افلاک پہ ہوگی نظر حسن و شباب | شاہد راز کے کھل جائیں گے سب بند نقاب
نغمۂ شوقِ حیاتِ ابدی، سن سن کر | ماہ و انجم کے بھی دل ہونگے فلک پر بے تاب

دور ماضی میں نظر آئیں گے جلوے کیا کیا! | اپنی آنکھوں سے اٹھائیں گے وہ پردے کیا کیا!
ذرۂ خاک کو سمجھیں گے وہ اک اخترِ ناز | دُور بینی کے دکھائیں گے تماشے کیا کیا!

مقصد ہستی صد رنگ سے ہو کر دوچار | جذبہ صلح و اُخوت کو کریں گے بیدار
ایک ہی رشتۂ الفت میں پروے ہوئے دل | کہیں تسبیح میں ہوں گے کہیں زیب زنّار

مشعلِ علم سے توحید کا جلوہ دیکھیں | ایک اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھیں!
پردہ وہم اگر چاک ہو اُنکے آگے | چشم ایقان سے ایمان کی دنیا دیکھیں

اسی مستقبل خوش رنگ سے ہر آں تم نے | نونہالوں کو کیا دست و گریباں تم نے
کر دیا مردہ جوانی کو گلستان شباب | ہائے کیا کام کیا اے شہ عثماں تم نے

شکریے کے لئے اک نعرۂ مستانۂ دل | خدمتوں کے لئے ایک ہمتِ مردانۂ دل
اپنے آقا کے لئے اپنے مسیحا کے لئے | شمع ہستی کی تڑپ، سوزشِ پروانۂ دل

علم کے جرعہ کشوں کی، ہے یہ اک نذر حقیر | قدم شاہ کی پابوس ہے جن کی تقدیر
یاد کرتے ہیں تمہیں دل سے دعا دیتے ہیں | یہ گہر لائے ہیں شاہوں کے لئے دست فقیر!

نواب سر امین جنگ بہادر صدر المہام پیشی خداوندی

ہم نے سالگرہ نمبر کے لئے نواب سر امین جنگ بہادر سے مضمون لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ نواب صاحب معزز نے راجہ رام موہن رائے کے متعلق جو ہندوستان کے مشہور مصلح اور برہمو سماج کے بانی ہیں۔ حسب ذیل مضمون عنایت فرمایا ہے۔ (دیپ دکن)

مجھے راجہ رام موہن رائے کی ممتاز زندگی اور ان کے کام میں سب سے زیادہ جو چیز جاذب توجہ نظر آئی وہ برہمو سماج کے مذہب کا خیال ہے۔ جو ایک عالمگیر حیثیت رکھتا ہے۔ ایک بڑے عالم اور ماہر لسانیات کی حیثیت سے انھوں نے تمام مذاہب کے اصل اصول اور طریقوں کو سمجھنے اور تلاش کرنے کی کوشش کی اور اپنی فارسی کتاب "تحفۃ الموحدین" میں ان کو پیش کر دیا۔

ان کا ایقان تھا کہ چونکہ خدا ایک ہے اس لئے اس کا مذہب بھی جو ایک کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا ساری بنی نوع انسان کے لئے ہے۔ ہم صیغہ جمع میں مذاہب جو کہتے ہیں۔ وہ در اصل اسی ایک ہی مذہب کی مختلف شکلیں ہیں۔ اور یہ شکلیں اس وجہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ کہ وہ مختلف زمانوں میں اوقات واقعات اور لوگوں کے دوسرے حالات کا ساتھ دے سکیں۔

تمام مذاہب کا اصل اصول اور خدائے واحد کا ایک مذہب کیا ہے؟ راجہ رام موہن رائے کہتے ہیں کہ وہ ایک بڑے جذبہ پر مشتمل ہے۔ جو ایک دوسرے پر انحصار رکھنے والے تین اجزا رکھتا ہے۔ اور جس کا تعلق ذہن انسانی کے تین اعمال سے ہے، جاننا۔ محسوس کرنا۔ اور عمل کرنا۔

(۱) تمام مذاہب کے خلاصہ میں پہلا جزو علم، ایقان اور عقیدہ ہے۔ کہ خدا ایک اور بالکل ایک ہے۔ اور اس کی واحد طاقت سب کی نگران اور محافظ ہے لیکن اس پر کسی کا اقتدار نہیں، رام موہن رائے کہا کرتے تھے کہ مجھے ایسا مذہب بتاؤ جو اس خدائے برتر کے وجود پر جو برہما، خدا، جہوا، گاڈ اور اللہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ یقین نہ رکھتا ہو۔ اگر کوئی ایسا مذہب نہیں ہے تو میں جس ایقان کو پیش کر رہا ہوں۔ وہ تمام مذاہب کا نچوڑ ہے۔

(۲) دوسرا جزو جو اس ایقان کا ناگزیر نتیجہ ہے اس ذات برتر پر کلی انحصار کا احساس ہے کیا دنیا میں کوئی ایسا شخص زندہ ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے زندگی میں کبھی یہ محسوس نہیں کیا۔ کہ وہ ایک حکمران طاقت کا مطیع ہے؟ اگر کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے تو پھر جیہوا گاڈ یا اللہ پر کلی انحصار کرنے کا احساس تمام مذاہب کے خلاصہ کے تینوں اجزاء میں سے ایک ہے۔

(۳) تیسرا جزو وہ ناگزیر جذبہ ہے جو ایقان اور احساس سے تعلق رکھتا ہے۔ خدا کے وجود پر یقین اور اس پر سارا انحصار ہونے کا احساس کسی نہ کسی طرح اس کے واحد ہونے کا ثبوت ہے۔ اگر اس برگزیدہ ذات تک پہنچنے کے لئے عبادت میں عجز و انکساری اور اطاعت کا اظہار نہیں ہوتا تو پھر آخر اس عبادت کا منشا کیا ہے۔

اب تمام مذاہب کے ان تین اصل اجزا کا یعنی ذات برتر کے وجود کا یقین، اس پر تکیہ کرنے کا احساس عبادت کرنے کی خواہش کا پتہ لگا لینے کے بعد راجہ رام موہن رائے نے ایک طرف تو نہایت احترام کے ساتھ ویدوں اور اپنشدوں کا اور دوسری طرف قرآن حکیم اور انجیل کا مطالعہ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ رام موہن نے دوسرا پڑا اور دوسری مذہبی کتابوں کو دیکھا۔ اور ایقان و عقاید اور احساس و جذبہ کی ان اچھی شکلوں کو منتخب کیا۔ جو ان کتابوں میں نظر آتی تھیں۔

ان مقدس کتابوں میں انہیں جو کچھ اچھا نظر آیا اس پر خود عمل کیا اور دوسروں کو عمل کرنے کی تلقین کی اور خود در حقیقت زندہ رہے وہ قانونی دستاویز جس کے ذریعہ آپ نے کلکتہ میں اپنے مندر کو معنون کیا ہے، مطالعہ کرنے کے قابل ہے۔ اس سے رام موہن کی اس سیرت کا اظہار ہوتا ہے جس کے تحت وہ زندہ اور کام کرتے رہے میں ان کے ساتھ تمام عظمت و احترام کو وابستہ کرتا ہوں جنہوں نے برہمو سماج کے نام سے ایک وسیع مذہب کی بنیاد ڈالی اور جس کے اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ پیرو ہیں۔ جو روزانہ اپنی عبادت کے وقت اپنے اس مشن

ترانۂ سالگرہ

از جناب علی اختر صاحب

نہاں ہے صبح کے نغموں میں رازِ سعی و عمل
سکوتِ شام ہے خضرِ رہِ گراں خوابی

رواں ہے سینۂ گلشن میں سیلِ نشو و نما
رہینِ ابر ہے موجِ ہوائے شادابی

شراب، کیف کی لہروں سے رہبرِ تسکیں
رباب، جوششِ نوا سے پیامِ بیتابی

ملی ہے لالہ و گل کو زمیں کی آرائش
عطا ہوئی ہے ستاروں کو آسماں تابی

اسی طرح ہے گہربار تیرا ابرِ کرم
چمن چمن ہے نویدِ سرور و سیرابی

رہا نہ مہرِ کرم بے نیازِ جلوہ گری
ہوا نہ بحرِ عطا آشنائے پایابی

سبھی تو ہیں ترے خوانِ کرم کے ذلہ ربا
وہ اہلِ ہند ہوں یا ترکمان و اعرابی

تری حمایتِ علم و ہنر میں زندہ ہوئے
ہزار غیرتِ رازی و رشکِ فارابی

ترا وہ علم کہ آئینِ شناسِ دانش و داد
ترا وہ عزم کہ سرنامۂ ظفریابی

ہزار سالگرہ ہوں ہزار جشنِ طرب
نثارِ پائے شہی، خسروی و دارابی

نذرِ عقیدت

از جناب خورشید احمد صاحب جامی

(۱)

ہر ایک ذرہ میں وہ ضیا ہے کہ مثلِ مہتاب جگمگائے
چمن میں ہر پھول کی یہ خواہش کہ آج جی بھر کے مسکرائے

صبا کی دلکش لطافتوں میں رباب عشرت کوئی اٹھائے
چمن میں نغموں کی پھر ہو بارش جہاں ترنم میں ڈوب جائے

حیاتِ عالم ہے مست و بیخود نویدِ جشنِ گرہ کی خاطر
عروسِ فطرت سجا رہی ہے چمن کے اندر گلوں کے بستر

چٹک رہی ہیں چمن میں غنچے شگفتہ تبسم کی چھا رہی ہے
شفق کی رنگیں ملاحتوں میں نسیم غوطے لگا رہی ہے

دکن کی بزمِ طرب کا صدقہ بہار موتی لٹا رہی ہے
گلوں کے دل ہو گئے شگفتہ کلی کلی مسکرا رہی ہے

چمن میں ہر پھول کی زباں پر ہے آج ذکرِ جمیل تیرا
نہیں ہے سارے جہاں میں کوئی مثیل تیرا عدیل تیرا

وہ مصدرِ خلق و صدق ہو تم وہ مظہرِ لطف و خیر ہو تم
وہ ذاتِ لا اصطفا تیری کہ جس سے قائم ہے نظمِ عالم

وہ عہد تیرا وہ عدل تیرا کہ رشکِ نوشیروانِ اعظم
وہ تیری شوکت کہ کانپ جاتی ہے جس کے دیکھے سے چشمِ عالم

(۲)

ترا ستارہ ہے بختِ روشن چمک میں مہرِ مبیں ہوا ہے
دلوں پہ چلتا ہے تیرا سکہ جہان زیرِ نگیں ہوا ہے

یہی ہوس بلبلِ بہار دائم یہی خوشی بار بار آئے
اسی طرح باغِ آرزو میں ترے ہمیشہ بہار آئے

یہ جاہ و حشمت یہ جشنِ عشرت سدا تجھے سازگار آئے
تری حکومت کی وسعتوں میں سمٹ کے ملک و دیار آئے

یہی ہوں عیش و طرب کے جلسے یہی رہے دورِ مسرت
زمانہ پر حکمراں رہے تو جہاں ہو زیرِ نگینِ دولت

مبارک اہلِ دکن مبارک یہ شادمانی یہ کامرانی
نویدِ جشنِ گرہ سے پائی دلوں نے پھر تازہ زندگانی

وہ بادشاہِ دکن کہ نازاں ہے جس پہ خود شانِ حکمرانی
دعا ہے جامی کی ہو عطا اے خدا اسے عمرِ جاودانی

یہی ہو عیش و طرب کی محفل سدا یہی روزگار دیکھے
الٰہی ہر سال شاہِ عثماں اسی طرح کی بہار دیکھے

از نواب سر نظامت جنگ بہادر

سابق صدر المہام سیاسیات

نواب سر نظامت جنگ بہادر روزانہ مخصوص اوقات میں اپنے خیالات کو قلمبند کر لینے کے عادی ہیں۔ آپ کی ڈائری کے چند اوراق نذرِ ناظرین کئے جاتے ہیں جو ہماری زندگی کے بعض نازک اور اہم مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ (صبح دکن)

ہماری ضروریات اور خواہشات ہماری حقیقی ضروریات تھوڑی سی ہیں لیکن ہماری خواہشات زیادہ ہیں۔ اور ان سے ثانوی ضروریات پیدا ہوتی ہیں ہم اپنی روح کے لئے ان ضروریات اور خواہشات کا کتنا حیرت ناک جال تیار کر لیتے ہیں! غور کیجئے کہ اس زمانہ کی دنیا نے اپنی باعث فخر تہذیب کے ساتھ چند سیدھی سادی اور ابتدائی ضروریات پر خواہشات کا کتنا انبار لگا دیا ہے۔ کیا روح کا یہی فرض منصبی تھا؟ یا طویل سلسلۂ اتفاقات کا نتیجہ ہے اور کیا یہ اپنے وجودِ حقیقی کے لئے ضروری ہے؟ میں اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں اب اس عمارت کا ڈھانا بھی ایک کٹھن کام ہے اور اپنے دماغ کو یکایک رسم و رواج کی بھول بھلیوں سے نکالنا بھی بہت مشکل کام ہے۔

اشتراکی اس بات کی دیوانہ وار کوشش کرتا ہے کہ خود کو بعض قدیم روایات سے آزاد کر دے لیکن اس کا یہ میدان تنگ ہے وہ اپنے کام کی طرف معاشی سمت سے رخ کرتا ہے۔ اور ناکام ہوتا ہے۔ کامیابی حاصل کرنے کیلئے اخلاقی سمت سے آگے بڑھنا چاہیئے جیسا کہ اسلام نے اپنے ابتدائی دور میں کیا تھا۔

ہم میں کا ہر ایک ایک فرض رکھتا ہے اس کو پورا کرنے کے لئے ہم کو کام شروع کرنا چاہیئے کشتیٔ حیات کے غیر ضروری اور ناکارہ سامان کو پھینک دینے کے بعد ہمیں اپنے کام کا آغاز کر دینا چاہیئے۔

دولت ایک شخص کی حقیقی دولت کیا ہے؟ روشنی اور ہوا، آسمان اور ستارے پہاڑی، وادی، اور چشمے، درخت اور پھول خوش الحان پرندے اور نغمے کی کتابیں اور ہمارے اپنے خیالات، ان تمام چیزوں کو اپنے قبضہ و اختیار میں پاکر ایک شخص اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا دولتمند آدمی سمجھ سکتا ہے!

جو دولت فطرت میں پائی جاتی ہے وہ کتابوں میں بھی ملتی ہے لیکن جب ہم ان کے پاس جاتے ہیں تو ہمیں اپنی روحوں کو بھی ساتھ رکھنا پڑتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو، تو پھر وہ اپنی دولت کا انکشاف کرنے سے انکار کر دیتی ہیں۔

فطرت اپنے پاس کیا رکھتی ہے؟ شاعری اور فلسفہ: زندگی کی حقیقی صورت میں، کتابوں میں کیا ہوتا ہے، شاعری اور فلسفہ خیالات اور الفاظ کے جامہ میں۔

شاعری فطرت میں حسن کے راز کا انکشاف کرتی ہے اور فلسفہ صداقت کو ظاہر کرتا ہے۔ تمام موجودات کی وحدت کو، یہ ہمیں خدا کی طرف لیجاتے اور خود مذہب بنجاتے ہیں۔

کیا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں زندگی کے داخلی امور سے تعلق پیدا کرنے کے لئے خارجی امور میں بہت زیادہ منہمک ہوں؟ کیا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر میں خارجی اعمال ظاہری شائستگی کے ساتھ انجام دوں اور اندر غلاظت لیتا آؤں تو کوئی مبالغہ نہیں؟

زندگی کا ایک دور ہے جس میں ایک شخص اخلاق اور نیکی کی اس خوبی کو تقریباً کھو بیٹھتا ہے جس کی اس نے عالم شباب میں قدر و قیمت کی تھی اور جبکہ دل شریفانہ جذبات سے بہت زیادہ متاثر ہونے کے قابل تھا ہم بتدریج اخلاق کی اس بلندی سے نیچے اتر آتے ہیں جو دور شباب میں حاصل ہوئی تھی۔ ہمارا روحانی درجہ بتدریج گھٹ جاتا ہے یہاں تک کہ ہمارے ادراک و تصور میں زندگی کی عظمت و تقدیس عارضی طور پر دھندلی پڑ جاتی ہے روح کی اخلاقی پستی جو زیادہ حساس افراد کے لئے تازیانہ کا کام دیتی ہے، بالآخر ہماری نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے

دائمی تغیر ہم بدل رہے ہیں اور ہمارے ارد گرد کی ہر چیز میں تغیر ہو رہا ہے فطرت کی تخلیقی سرگرمی کے علاوہ کیا اس میں اور کوئی ایسی چیز ہے۔ جو مستقل طور پر منقلب صورتوں میں کام کر رہی ہے یہ صورتیں اول بدل کر نئی صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہیں، ان کا ظاہری لباس بدل جاتا ہے لیکن ان کی اندرونی قوت نہیں بدلتی، یہ ضائع اور برباد نہیں ہو جاتی کیونکہ وہ تمام فطرت اور روح کائنات کے ایک جزو کی حیثیت سے برقرار ہے۔ یہ محسوس کرنا کس قدر تسلی بخش ہے کہ ایک طرف زندگی کا یہ خول جس میں ہماری روح مقید ہے آہستہ آہستہ فنا ہوتا جا رہا ہے۔ اور بالآخر ہمارے جسم سے الگ ہو جائے گا۔ اور دوسری طرف ہماری روح اسی تناسب کے ساتھ، قوی حسین اور زیادہ آزاد ہوتی جا رہی ہے یہی وہ امید افزا پیام ہے جس کو بڑھاپا اپنے ساتھ لاتا ہے اور ہمیں اس سے تسکین ہوتی ہے "روح لافانی ہے موت صرف تبدیل صورت کا نام ہے"

انسان کی خدمتگزاری ہر انسان خواہ وہ کتنا ہی کاہل ہو اس عالم ظاہر یا باطن کی کوئی نہ کوئی خدمت

بجالاتا ہے۔ اپنی زندگی میں جو کام انجام دیتا ہے ممکن ہے کہ وہ بہت مختصر بہت حقیر اور دنیا والوں کی نظروں میں نہ جچتا ہو لیکن بحیثیت مجموعی انسانی جدوجہد کے اس اجتماع میں اس کا بھی نہ کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہے جس نے حیات انسانی کی اس دنیا کو ابتدائے آفرینش سے آباد کیا۔ اور آباد کئے جارہا ہے ہر مخلوق کی زندگی حیات ارضی کا ایک حصہ ہے جو بجائے خود وسیع نظام کائنات کا ایک جزو ہے اس امر سے کوئی واسطہ نہیں کہ یہ کام حقیر اور بے مایہ ہے یا عظیم الشان خالق کائنات کے نقطۂ نظر سے وہ قوت محرکہ یا ارادۂ نیک و بد ہی قابل غور ہے جو اس کام کے پس پردہ کارفرما ہوتا ہے یہ انسانی دنیا کھو کھاان دیکھی قوتوں سے بھری ہوئی ہے اور انسان کا ہر خیال اور ہر عمل اس لاانتہا ہی خلا میں ایک غیر مرئی ابدی اور نہ مٹنے والے نقش قدم چھوڑ جاتے ہیں جس کو

ارباب سائنس ایتھر سے لبریز پاتے ہیں تو ارباب حکمت ایک ان دیکھی ہستی کے وجود سے جب کبھی میں اپنے ذہن میں کسی اچھے یا برے خیال کا وجود پاتا ہوں خواہ وہ کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو تو میں دراصل اس خلا میں خیالات کی موجوں کا ایک سلسلہ باندھ دیتا ہوں جو ابد کے کنارے سے جا جا کے ٹکراتے ہیں۔ یہ کتنا باجبروت اور ساتھ ہی ساتھ ہیبتناک خیال ہے کہ اس سے دوزخ اور جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں!!

فطرت

چہرۂ فطرت کو دیکھو بلکہ اس کے قلب میں جا گھسو، اسی سے تم خدا تک پہونچ سکتے ہو، خدا کا جاہ و تمیز اس کی کارفرمائیوں میں نظر آسکتا ہے۔ فطرت اس کے نقش و نگار ہیں اور اسی فطرت میں ہر چیز حسین و جمیل اور خیر ہے اگر اس میں تمہیں کوئی چیز خیر یا حسن و جمال نظر نہ آئے تو یہ سمجھ لو کہ یہ تمہاری الجھی ہوئی نظر کا قصور ہے کہ وہ کچھ کے کچھ نظر آتے ہیں، تم اس کو ایک تعلق کے اعتبار سے دیکھتے ہو اس کے کل اعتبارات تمہارے پیش نظر نہیں ہوتے تم اس کو اپنے تصورات اور اپنے ماحول کے تعلق سے دیکھتے ہو۔ اور تم محض اپنی جہالت سے اس میں عیب ڈھونڈھ نکالتے ہو۔ بھلا بتلاؤ تو کہ تمہیں فطرت کا حکم یا نقاد کس نے بنایا؟ تمہیں صرف اپنے اعمال اور اپنے جیسے اعمال نیک و بد کا محتسب بنا دیا گیا ہے۔ اور بس۔ خود اس عام منصب پر تمہیں جگہ جگہ ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اگر تم انسانی عقل کی کوتاہیوں سے نکل کر اٹھ کھڑے ہو جاؤ اور کائنات کا خالق کائنات کے نقطۂ نظر سے مطالعہ کرو تو کہیں تم اپنی منصفی اور نقادی کا ادعا کر سکتے ہو۔ اس وقت تک تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ خاموش مشاہدہ حق کرو اور محبت و پرستش کی گہرائیوں میں ڈوب جاؤ

قطعۂ تہنیت سالگرہ مبارک

از نواب اختر یار جنگ بہادر اختر

دل سے ہوتی ہیں دعائیں شہ عثماں کیلئے | جو ہے لطف و کرم و بخشش و احساں کیلئے

ملک کے واسطے رحمت ہے حکومت تیری | جس طرح فصل بہاری چمنستاں کیلئے

گلشن عیش مبارک ہو ہوا خواہوں کو | دل بدخواہ رہے کاوش پنہاں کیلئے

ہو سدا گردش ایام نصیب اعدا | ساغر عیش کا دور آصف دوراں کیلئے

وصف سلطان دکن شرح کا محتاج نہیں | حاجت غازہ نہیں عارض تاباں کیلئے

جس طرح پر تو خورشید ہے یکساں سب پر | عام ہے فیض ترا گبر و مسلماں کیلئے

نظر مہر سے بنجاتے ہیں ذرے خورشید
یہ شرف خاص ہے اختر شہ ذیشاں کیلئے

دنیا کی نظر میں
ہر ایک کی زبان پر
موتی محل ٹاکیز
حیدرآباد
اس سنیما کو قایم ہوئے ایک سال ہوا ہے اس
دوران میں آپ نے جس فراخدلی سے اسکی سرپرستی
فرمائی ہے اسکا نیازمندانہ شکریہ ادا کیا جاتا ہے
ہم اس سال اور زیادہ مستعدی سے آپکی
خدمت کرنے کی کوشش کرینگے ہمیں امید ہے کہ
آپکی سرپرستی کا بھی اسیطرح فخر حاصل رہیگا
جہاں سب سے زیادہ سیکلیں آتی ہیں
جہاں سب سے زیادہ موٹریں آتی ہیں
جس کے پھاٹک کے سامنے دوسرے سنیماؤں کے بورڈ رہتے ہیں
جہاں شاذونادر ہی کوئی خراب فلم دکھایا جاتا ہے
جہاں آپ ہمیشہ جایا کرتے ہیں
جس کے قیام کی وجہ سے بازار کے بازار میں چہل پہل اور رونق پیدا ہوگئی ہے
جہاں آرٹ
جہاں
بند ہوا
منیجر موتی محل ٹاکیز
المشتہر

حقیقت کی تلاش میں مخل ہونیوالی جذبات

از
مولوی سید اسد اللہ صاحب بی۔ اے سابق ایڈیٹر
"نیوایرا" "حیدرآباد ہیرلڈ"

انسانی قوت استدلال اور قوت فیصلہ گو منطقی اصولوں سے تمام و کمال بہرہ ور ہونیکا نتیجہ قرار نہیں دئے جاسکتے۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ ذہنی شعور انسان کو خود اس قابل بنا دیتا ہے۔ کہ وہ انہی اصولوں کا کسی نہ کسی انداز میں دامن تھامے رہے لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ ارباب علوم جب حقیقت کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ تو انہیں ابتداً اسی راہ سے گزرنا پڑتا ہے۔ لیکن وہ گزر نہیں سکتے اور بیچ میں ایسے جذبات حائل ہو جاتے ہیں۔ جو انسان کو حقیقت سے دور کر دیتے ہیں۔ اس طرح پر انسان کی قوت فیصلہ بعض جذبات کی رو میں آجاتی ہے۔ اور وہ کسی مسئلہ کے متعلق جو نتائج اخذ کرتا ہے۔ ان کے متعلق یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ کسی خاص جذبہ کے زیر اثر نہیں ہیں۔ حقیقت کی تلاش میں ان مخل ہونے والے جذبات کا عموماً احساس نہیں ہوتا۔ اور انسان اس منزل پر آکر بھٹکتا پھرتا ہے۔ ان زبردست ترین جذبات سے کم و بیش سب متاثر ہوتے ہیں۔ کسی زیر بحث مسئلہ کے تعلق کوئی صحیح فیصلہ کرنے سے پہلے دماغ اس فیصلہ کی طرف رجوع ہو جاتا ہے۔ جس کو انسان کے بعض جذبات کے اثر و اقتدار کا نتیجہ کہنا چاہئے۔ عموماً ہمیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ جذبات چپکے چپکے ہماری آرا اور ہمارے فیصلوں پر کیا اثر ڈال رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان بھول بھلیوں سے نکلکر حقیقت کی تلاش نہیں کرسکتے۔ اور غلطی سے جس راستہ پر پڑ جاتے ہیں اس کو منزل مقصود کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ دنیا کے مختلف ارباب علوم اور ارباب حکمت کے کارنامے ہمارے سامنے ہیں۔ جن پر نظر ڈالنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت کی تلاش میں انھوں نے کیسی لغزشیں کیں اور اپنے فیصلوں پر ان ہی جذبات کے زیر اثر کس درجہ ایقان رکھتے تھے۔ یہ انسانی جذبات ہی کا کرشمہ ہے کہ وہ بڑے بڑے فلسفیوں مصلحوں، اور عالموں کو صحیح راستہ سے بھٹکاتے رہے ہیں۔ جذبات کی ان کارفرمائیوں کا سلسلہ جو ابتداء سے جاری ہے۔ حیات ارضی کے اس دور میں کبھی ختم نہیں ہوگا۔

حقیقت کی تلاش میں رکاوٹ پیدا کرنے والے ان جذبات کو یہاں بعض مثالوں کے ذریعہ واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ جو عقل و شعور کو اپنے تابع کر لیتے ہیں۔ اور حیات انسانی کو اس کے اپنے اصلی رنگ میں جلوہ گر ہونے سے روک رہے ہیں۔

قومی جذبات

قومی جذبہ کا عروج اقوام و ملل کی ترقی و بقا کے لئے لازمی مانا گیا ہے۔ لیکن اس جذبہ کی تحلیل کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس کی مختلف صورتیں حقائق پر نقاب ڈالنے کی عادی ہوگئی ہیں۔ قومی سورماؤں کی مثال لیجئے۔ کیا افراد قوم اس بات کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کہ ان کی عظمت کے اظہار یا دوسروں سے ان کا مقابلہ کرتے وقت احتیاط سے کام لیں۔ انگلستان والے شکسپیر کو اعلیٰ شاعری کی خصوصیت کے لحاظ سے اتنا زبردست سمجھتے ہیں کہ باہر کے کسی شاعر کو خاطر میں نہیں لاتے لیکن کیا گوئٹے کی شاعری کی عظمت کا انھوں نے صحیح معنوں میں اعتراف کیا ہے۔ جرمنی گوئٹے پر فخر کرتا ہے۔ لیکن کیا وہ بجز تحسین و ستائش کے اس کی شاعری کی کمزوریوں کو ڈھونڈنے کے لئے تیار ہے؟

سیواجی کو ہرہنود؛ اور اورنگ زیب کو مسلمانوں نے جو غیر معمولی درجہ دیا ہے وہ ان کے لئے ضروری سمجھتے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کیا ان کو اصلی رنگ میں دیکھنے کی کوشش کرے گا؟ قومی جذبہ غالب آجاتا ہے۔ اور اصلی حقیقت کی تلاش نہیں ہوسکتی۔

غالب کے پرستاروں نے اسے کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ ملٹن اور شیلی کی شاعری کی خصوصیات ان کو متاثر نہ کرسکیں۔ اور وہ بالآخر تحسین و ستائش کی نذر اس کے حوالہ کر دیتے ہیں اس سلسلہ میں یہ گروہ زیادہ قابل ذکر ہے۔ جو اپنوں اور غیروں سے اچھی طرح واقف رہنے کے باوجود ان ہی رجحانات کا اظہار کرتا ہے۔ یہ جذبہ غرض ہر طرف موجزن نظر آئیگا۔

صداقت سے بیزاری

انسان صداقت سے بیزاری و خوف کا اظہار جن مختلف طریقوں سے کرتا ہے اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں البتہ خاص طور پر اس کا اظہار شخصی اور معاشری زندگی میں بہت ہوتا ہے۔ ہر فرد معاشرہ میں کسی نہ کسی حیثیت سے اپنی جگہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں جب اس کی کمزوری کو ظاہر کیا جائے تو اس کا دماغ اس اظہار کے خلاف بغاوت کر بیٹھتا ہے۔ کیا یہ صداقت کے خلاف بیزاری نہیں ہوتی؟

شخصی زندگی میں بالکل اسی طرح ہوتا ہے۔ اور انسانی جذبات اپنے اور دوسروں کے متعلق حقائق پر دانستہ یا نادانستہ طور پر پردے ڈال دیتے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو بالآخر اجتماعی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

معاشری و مذہبی نظریے

اگر واقعی ہمیں حقیقت کی تلاش ہے تو پھر یہ کیوں ناگوار گزرتا ہے کہ اپنے معاشری۔ اخلاقی اور

مذہبی نظریوں کو غیر جانب دار طریقہ پر پرکھنے کی کوشش کریں۔ معاشرہ نے جو اصول و طریقے مروج کرئے ہیں قانون اخلاقیات نے جو ضابطے اور اصول تیار کرئے ہیں۔ اور مذہب نے جو نظریے پیش کردئے ہیں ان پر غور کرتے وقت ہم اپنے جذبات کے تحت ہو جاتے ہیں۔ اور ان معینہ حدود سے آگے بڑھتے ہوئے ہمیں جھجک محسوس ہوتی ہے۔

ایک طرف تو ہمیں حقیقت کی تلاش ہے دوسری طرف ہم اس کے ظاہر ہونے کو پسند نہیں کرتے۔ اور تیسری طرف اس کے اظہار میں خوف و ہراس محسوس کرتے ہیں۔ ان زبردست رکاوٹوں کو دور کئے بغیر حقایق آخر کس طرح روشنی میں آئیں گے؟

دلی خواہشات کی تائید

انسان جن چیزوں کو دل سے پسند کرتا ہے۔ ان کی تائید و حمایت میں دلائل و براہین کی ایسی دیواریں کھڑی کر لیتا ہے۔ جو اپنے اوپر حقائق کے دروازے بند کر لیتی ہیں۔ اس قسم کی مثالیں تاریخی سیاسی، معاشرتی، اور اقتصادی زندگی میں بکثرت نظر آتی ہیں۔

قیصریت پسند اپنی تائید میں ڈارون کے نظریہ (   ) کو پیش کرتا ہے۔ اور اس کے سارے دلایل اسی نظریہ کے تحت ہوتے ہیں۔ ملک گیری کی ہوس اور جبر و استبداد کا اظہار اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ زندہ رہنے کے لئے اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ہر طبقہ، ہر قوم اور ہر ملت اپنے لئے کوئی نہ کوئی اصول اور نظریے گھڑ لیتے ہیں۔ اشتراکیوں نے جب سرمایہ داروں پر نظر ڈالی تو انہیں اپنے مفاد کے تحفظ کا خیال ہوا اور اسی بناء پر دولت کی مساوی تقسیم، اور عالمگیر اخوت کا نظریہ انہوں نے تلاش کر لیا۔ سرمایہ دار یہ نظریہ پیش کرتے ہیں ماتحتوں کو وفاداری اور اطاعت کا اظہار کرنا چاہئے۔ اور وہ چھوٹے بڑوں کا جو امتیاز قائم کرتے ہیں۔ اور بعض وقت اسے جو مذہبی رنگ دیتے ہیں وہ در اصل ان کے مفاد کے تحت ہوتا ہے۔ ہر فرقہ اور ہر طبقہ کو اپنے اپنے نظریوں کی صداقت پر اصرار ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ کہ حقیقت آخر کدھر ہے؟ جب دونوں طرف حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ ایک درمیانی راستہ میں ہوگی۔

طاقت کے ذریعہ حکومت کرنے کا جذبہ انسان کا فطری جذبہ ہے۔ اور شخصی طور پر بھی یہ جذبہ کسی نہ کسی صورت میں برابر کار فرما نظر آتا ہے اگر انسان پر قانونی اور معاشرتی پابندیاں عاید نہ ہوں تو وہ اپنے اس جذبہ کا علی الاعلان اظہار کرتا ہے۔ تہذیب و تمدن کی ترقی کے اس دور میں گو افراد پر قسم قسم کی پابندیاں عاید ہیں لیکن اس کے باوجود بھی اپنی طاقت کو مقابلتہً کمزور لوگوں کے خلاف کام میں لانے کا رجحان کسی نہ کسی طرح ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

محبت اور ناکامی کے مواقع پر بھی انسان سے ایسے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ جن سے اصلی حقیقت اس کے اس ارادی یا غیر ارادی فعل سے متاثر ہونے لگتی ہے مثلاً ایک ماں اپنے ننھے سے بچے کے انتقال پر اس کی موت کے اصل سبب پر نظر ڈالنے کی کوشش نہیں کرتی بلکہ خدا کے انصاف کے خلاف اپنی آواز بلند کرتی ہے۔

ایک طالب علم یا ملازمت کا متلاشی ناکامی پر اپنی کمزوریوں کو نظر انداز کر کے ممتحنین یا عہدہ داران پر الزام دہرتا ہے۔ یہ جذبات ایسے ہوتے ہیں کہ انسان کو کسی مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو دیکھنے کا موقع نہیں ملتا۔ بلکہ وہ ان ہی چیزوں کو لے کر نتیجہ نکال لیتا ہے۔ جن کی طرف اس کا دل پہلے سے جھکا ہے۔

حسد کے جذبات

حسد کا جذبہ در اصل اس جذبہ کا نتیجہ ہے جو انسان کو کسی کے مقابلہ میں اپنی اہمیت کے کم ہو جانے کے خیال پر پیدا ہوتا ہے، وہ کسی نہ کسی طرح سوسائٹی میں اپنی اہمیت جتانا چاہتا ہے اور جب دوسرے کے مقابلہ میں اس کی اس اہمیت پر اثر پڑنے لگتا ہے تو اس کے خلاف خواہ مخواہ اس کے دل میں حسد کا جذبہ بھڑکنے لگتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ تمام خوبیاں اس کے اندر موجود ہوں۔ اور جب وہ یہ خوبیاں دوسروں میں دیکھتا ہے تو یہ جذبہ متحرک ہو جاتا ہے۔ یہ جذبہ اس وقت زیادہ اچھی طرح محسوس کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے نزدیک مقابل سے تعلقات وابستہ رہتے ہیں یہ جذبہ عموماً پیدا تو ہوتا ہے لیکن بعض اوقات انسان اسے محسوس نہیں کرتا۔ اور اس طرح کسی مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے وہ اسی جذبہ کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

ایقان و عقائد

ایقان و عقائد کی مختلف قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جو ہمارے مشاہدات اور تجربات کے بعد قایم ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو قوانین فطرت کے تحت ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے مشاہدات سے بالراست تعلق نہیں رکھتے۔ اور تیسرے وہ جو قوانین فطرت سے باہر ہوتے ہیں اور جن تک ہم عقلی رنگ میں پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جیسے بعض مذہبی عقائد اور توہمات وغیرہ۔ یہ تیسری قسم اس لحاظ سے خطرناک ہے کہ ان توہمات اور روایات میں انسان اس طرح گرفتار ہو جاتا ہے کہ اس کا دماغ ان کی متابعت کئے بغیر نہیں رہتا۔ اور یہ ایک قدیمی عادت کا نتیجہ ہے۔

مزاج انسانی

مزاج انسانی کا اختلاف بھی ان لغزشوں کا بڑی حد تک ذمہ دار ہے۔ جو کسی مسئلہ کے سلسلہ میں ظاہر ہوتی ہیں قنوطیت اور رجائیت انسانی مزاج کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ اور ہر شخص اس لحاظ سے دنیا کی چیزوں پر نظر ڈالتا ہے، ایک مسئلہ پر ایک رجائی جس اعتبار سے روشنی ڈالتا ہے اس کو قنوطی دوسری نظر سے دیکھتا ہے۔ اور اس اختلاف مزاج کی بدولت تلاش حق کی کوشش ناکام رہتی ہے۔ مگر ان میں سے ہر ایک یہ سمجھ لیتا ہے۔ کہ اس کے حاصل کردہ نتایج و اعداد و شمار درست ہیں۔

قدامت پرستی کا جذبہ

نئے نئے خیالات اور رجحانات عملی پیکر میں جلوہ گر ہو کر جب تک پرانی چیزوں کے تار و پود نہ بکھیر دیں، اس وقت انسان کی عادت ہے کہ وہ اپنی ہر قدیم چیز کی قدر و منزلت کرتا ہے۔ قدامت پرستی کا یہ جذبہ اس قدر غالب ہوتا ہے کہ یہ دیکھنے بھالنے کی فکر ہی نہیں کی جاتی کہ واقعی ہر قدیم چیز اسی پرستش و تحسین کی مستحق ہے۔ جس میں اس غور و فکر سے کام لیا جاتا ہے یہاں ہم اس موقع پر اردو شاعری ہی کی مثال پیش کرتے ہیں۔ اس دور ترقی میں جبکہ اردو شاعری کے ایک نئے اسکول کا وجود عمل میں آچکا ہے۔ اب بھی اکثریت قدیم شاعری سے ہٹنے کے لئے تیار نظر نہیں آتی۔ اور اس کی تائید میں طرح طرح کے عجیب و غریب من مانے دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

ہندوستانی زندگی اور اس کے ماحول کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے لئے اس قسم کی شاعری کی ضرورت تھی اور اس میں اور پختگی پائی جاتی لیکن ابتدا ہی غلط ہوئی اور فارسی شاعری کی بنیادوں پر اس کا آغاز ہوا۔ شاعری کا وسیع میدان اس قدر تنگ ہو گیا

جل رہا ہے بزم ظلمت میں بصیرت کا چراغ
اک پیام وجد ہے نورس شگوفوں کی چٹک
تو بھی سن سکتا ہے نادان! نبض فطرت کی دھمک
اٹھ! کہ آخر تا کجا مرگ آشنا رنگ سکوت | تجھ سے دنیا چاہتی ہے زندگانی کا ثبوت

گرچہ ہے سازِ مسرت کا ترنم دلنشیں
زندگی تنہا نشاط و شادمانی میں نہیں
یونہی صرف اک گریۂ پیہم نہیں رازِ حیات
زندگی رکھتی ہے ان اوہام سے برتر صفات
دہر کی ترتیب ہے اک مستقل آئین پر
منظرِ ذرات سے تا جنبش موج گہر
عشرت سرشار ہو یا تلخیٔ صہبائے غم
زندگی کی مختلف راہوں کے ہیں یہ پیچ و خم
دیدۂ بیدار ہے آسودۂ خواب گراں
تو ہے اور یہ سطح پر پھیلی ہوئی تاریکیاں
اے رہین خاک! مہر ضو فشاں ہے زندگی
نبض دل میں گردشِ خوں جواں ہے زندگی
زندگی! اقلیم ہستی کا نشان امتیاز
موت سے آزاد ہے سود و زیاں سے بے نیاز
وقفِ صہبائے عمل ہیں کیفیات زندگی
زندگی یعنی نہیں ہیں حادثات زندگی

منزلیں آباد ہوتی ہیں اُجڑنے کے لئے
سطح کا ہر نقش ہے بننے بگڑنے کے لئے
زندگی لیکن نہیں صرف شکست انفعال | زندگی ہے بیخبر اک سرمدی نقش جمال

خاک سی ہر سمت اُڑتی ہے خزاں آ نیکو ہے
مطمئن ہے تو بہار شادماں جانے کو ہے
آسماں پر گھر کے رحمت کی گھٹائیں چھا چکیں
بجلیاں تیرے نشیمن پر بہت لہرا چکیں
نرم موجیں صرفہ اجزائے طوفاں ہو چکیں
مسکرا کر صبح کی کلیاں پریشاں ہو چکیں
دیکھ تو کیا کہہ رہی ہے فطرت آزادہ کار
اے اسیر حلقۂ دام علائق ہوشیار
یہ بھی کوئی زندگی ہے خستہ و زار و تباہ
موت کا نادان! ہو جس زندگی پر اشتباہ
سرنگوں سازِ عمل ہے گوشہ گیری پر تری
ذرہ ذرہ مسکراتا ہے اسیری پر تری
بیخبر! یہ اعتراف نارسائی تا کجا
فتح کر بڑھتے ہوئے طوفان آ، میدان میں آ
رہ نہ جائے تیری بیداری میں کوئی اشتباہ
دیکھ، تیری سمت ہے ناموس ہستی کی نگاہ
جمع کر خرمن خیال برق خرمن چھوڑ دے | ہمنشیں اٹھ! رشتۂ اوہام باطل توڑ دے

قدیم اہل ہند کے عقائد

از مولوی سید ہاشمی فرید آبادی رکن دار الترجمہ سرکار عالی

بارہویں صدی عیسوی میں جب کہ دکن کی ریاستیں آئے دن ایک دوسرے سے دست و گریباں رہتی تھیں ایک فوجی سردار وجالا نے اپنے چالوکی راجہ سے بغاوت کی اور چند سال کیلئے خودمختار حکومت کا تماشہ جمایا۔ لیکن وجالا سے بھی زیادہ دیرپا شہرت اس کے برہمن وزیر بسپا (یا بساوا) کے نصیب میں آئی جسے اکثر انگریزی تاریخوں میں "ویرشیوا" (یا لنگایت) مذہب کا بانی قرار دیا ہے۔ ہماری درسی تاریخوں میں اسی خیال کی پیروی کی گئی تھی مگر ضلع رائچور کے ایک تعلیم یافتہ لنگایت نے مجھے لکھا کہ خود یہ فرقہ اپنے مذہب کو بہت قدیم مانتا ہے اور بسپا کو بانی مذہب قرار دینا۔ لنگایتوں کے عقائد کے خلاف ہے انہوں نے اپنے قول کی تائید میں بعض شواہد اور ماخذوں کا بھی حوالہ دیا۔ راقم الحروف نے اس فرقے کے مذہبی عقائد کا پاس کرنا ضروری سمجھا اور اپنی تاریخوں کی عبارت میں ترمیم کردی۔ اگرچہ تاریخی اعتبار سے یہ بات پوری طرح طے نہ ہوئی کہ بسپا اپنے دین کا فی الواقع بانی تھا یا محض مجدد۔ لیکن چند ہی سال بعد سندھ و پنجاب کے ماقبل آریا تمدن کے آثار برآمد ہونے اور اپنی حیرت انگیز انکشافات میں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہند کے یہ پراچیں باشندے اکثر مذہبی عقائد میں غالباً موجودہ لنگایتوں کے ہم خیال تھے۔ اس عجیب و دلچسپ معلومات کو صبح دکن کے لائق مدیر کی فرمائش پر ذیل میں اجمالاً پیش کرتا ہوں۔ سر جون مارشل کی تازہ ترین تالیف "موہن جودارو اینڈ دی انڈس سوی لی زیشن" (جلد اول باب پنجم) مضمون کا اصلی ماخذ ہے۔

موضع موہن جودارو (ضلع لڑکانا، سندھ) ہڑپا (ضلع منٹگمری پنجاب) اور بلوچستان کے بعض مقامات کی کھدائیوں میں جو اشیا برآمد ہوئیں۔ ان میں ایک بڑی تعداد مٹی کی مورتیوں کی ہے جو وضع قطع میں ایک دوسرے سے نہایت مشابہ ہیں۔ یہ ایک عورت کی تصویریں ہیں جو صرف لنگوٹی یا پیٹی باندھے، کھڑی ہے ہر مورتی میں سر کے بال بڑے تکلف سے آراستہ ہیں ان کے گوندھنے کا طرز بھی عموماً یکساں ہے۔ بعض گلے اور کانوں میں زیور پہنے ہوئے ہیں۔ اسی قسم کی مورتیاں، بلوچستان سے ایشائے کوچک، اور اس کے آگے بلقان، یونان اور مصر تک، اکثر ماقبل تاریخ آثار میں برآمد ہوئیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ ان ملکوں کی سب سے قدیم دیوی یا مہا دیوی کی تصویریں ہیں۔ اس بدیہی مماثلت سے قطع نظر کرلی جائے، تو بھی خود ہندوستان میں "ماتا" یا "مہا مائی" کی پوجا اتنی قدیم اور اس قدر عام ہے کہ ان مورتیوں کو اسی دیوی کی تصاویر تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نظر نہیں آتی

اہل فلسفہ نے اسکو آگے چل کر شکتی یا (انسائی) قوت تخلیق کا مظہر قرار دیا لیکن جیسا کہ سر جون مارشل اور رو پرٹ نے صراحت کی ہے آج بھی ہندوستان کے قدیم اور جنگلی باشندوں میں اس دیوی کی پوجا جاری ہے اور بلاشبہ یہ اس ملک کی غیر آریا یا ماقبل آریا دیوی ہے

مگر اس انکشاف سے بھی زیادہ تعجب انگیز یہ واقعہ ہے کہ اسی دیوی کے ساتھ مغربی ہند کے ان ماقبل تاریخ آثار میں ایک دیوتا کی تصویریں برآمد ہوئیں جو سر جون کے بقول ویرنچا شو جی کا نقش اول ہیں۔ ان میں سب سے دلچسپ شبیہ، پتھر کی ایک لوح پر کندہ کی ہوئی ملی ہے اس تصویر میں دیوتا کے تین چہرے اور سر پر دو شاخہ مکٹ دکھایا ہے۔ وہ ایک تخت پر جوگیوں کی طرح آسن مارے بیٹھا ہے اور دونوں پاؤں کے انگوٹھے پیچھے کی طرف مڑ کر ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔ بازو پھیلے ہوئے اور ہاتھ کے انگوٹھے گھٹنوں پر ٹکے ہوئے ہیں۔ سینے اور بازو پر بہت سے زیور پہنے ہے۔ لیکن نیچے کا دھڑ برہنہ ہے۔ دیوتا کے دونوں طرف ہاتھی، شیر، گینڈے اور بھینسے کی اور تخت کے نیچے دو ہرنوں کی تصویریں کندہ ہیں۔ جیسا کہ سر جون نے جتایا ہے۔ اس پانچ ہزار (یا زیادہ) سال کی قدیم تصویر میں تاریخی زمانے کے شو جی کی جملہ خصوصیات جھلکتی ہیں۔ اوّل تو اس کے تین چہرے دیکھکر۔ گمان ہوتا ہے کہ ہندوستان کی قدیم تثلیث (یعنی برہما، وشنو، شو،) کے تخیل کا شاید اسی ماقبل تاریخ زمانے میں آغاز ہوگیا تھا دوسرے تاریخی زمانہ کا شو بھی یوگا سے خاص تعلق رکھتا ہے چنانچہ اُسے "مہا یتہ" اور "مہا یوگی" بھی کہتے ہیں وہ بہائم اور مواشی کا مربی دیوتا۔ مانا جاتا ہے اور موہن جودارو کی تصویر میں بھی چار بڑے حیوانات کا ہونا، اسی عقیدے کا اشارہ معلوم ہوتا ہے لیکن ان سب سے زیادہ دلچسپ دلیل یہ ہے کہ ازمنہ وسطیٰ تک شو جی کی اکثر تصویروں میں دو ہرن بالکل اسیطرح تخت کے نیچے دکھائے جاتے رہے ہیں جس طرح موہن جودارو کی شبیہ میں موجود ہیں یہ تو معلوم نہیں کہ اس ماقبل آریائی زمانے میں اس دیوتا کا نام کیا تھا لیکن بعض قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اُس دور عتیق میں بھی تخریب و تخویف ہی کا دیوتا تھا۔ نیز یہ کہ زمانہ مابعد کی شکتی پوجا کا اس سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور تھا کیونکہ جگن ماتا یا مہادیوی کا زوج اسی دیوتا کو مانا گیا ہے اور مہادیوی کی پوجا نے آگے چل کر شکتی (یا انسائی قوت) کی عبادت کا فلسفہ پیدا کیا ہے۔

لیکن کمال تعجب کی بات یہ ہے کہ شکتی پوجا کے وہ آئین جو اس وقت ہندوستان خصوصاً دکن میں فروج پرستی کی صورت میں مروج ہیں۔ اُنکے آثار بھی موہن جودارو کی کھدائیوں میں برآمد ہوئے اور ان لنگوں کے مختلف عرض و طول سے صاف پتہ چل گیا کہ پوجا کے علاوہ انہیں حفاظت یا برکت کی غرض سے ان دنوں بھی لوگ اسی طرح لئے پھرتے تھے جیسے آج کل لنگایت فرقے والوں کا دستور ہے ان قدیم باشندوں کے حیوانات اشجار و احجار کو پوجنے کی بھی شہادتیں ملی ہیں جن کی بنا پر سر جان مارشل کو یقین ہے کہ موجودہ ہندومت بہت کچھ اسی ماقبل آریا مذہب کی یادگار ہے جو آج سے پانچ چھ ہزار برس پہلے وادی سندھ کے باشندوں میں مروج تھا۔ چنانچہ باب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ شو پوجا

مہا دیوی کی عبادت، ناگ دیوتا، روکھ دیوتا، حیوانات
اور شجر و حجر پرستی، یوگا (یا جوگیوں کے طریق ریاضت)
اور فروج پرستی، غرض قریب قریب ہر عقیدے
کی شہادت موہن جوداڑو میں مل گئی ہے اور ظاہری
آثار محفوظ نہ ہونے کے باوجود یہ ماننے کی قوی وجوہ
ہیں کہ شکتی پوجا بھی ہندوستان کی سرزمین
پر بہت قدیم سے موجود تھی ......"

غرض وادیٔ سندھ کے ماقبل آریا
تمدن کے انکشاف سے بظاہر یہ ماننے
میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ ہمارے
رائچوری مراسلہ نگار کا اعتراض بجا تھا۔
"ویرشیوا" مذہب کی بنیادیں کم سے
کم تاریخی زمانے سے کہیں زیادہ قدیم ہیں

ظلِ سبحانی

از جناب غلام حسن صاحب قادری رفیق

کیوں دعا سے نہ کروں نظم کا اپنی آغاز | بہرِ آمین ہیں کھلے لب درِ تاثیر ہے باز
مدحتِ شاہ میں نکلے جو دعا کی آواز | جاکے وہ عرش پہ ہوجائے اثر سے ممتاز

لہلہاتا رہے اقبال کا تیرے پرچم
میر عثمان علی خاں رہے قائم دائم

فیض جاری رہے در کا تیرے شاہ ذیجاہ | ہفت کشور ہوں تیرے زیرِ نگین ظل اللہ
رحمتِ حق کا ترے سر پہ ہو سایہ ہر گاہ | خرم و شاد رہے دہر میں تو شام و پگاہ

ترے دشمن رہیں ہر وقت ذلیل و رسوا
جان نثاروں کے رہے سر پہ ترا دستِ عطا

شان یہ! جھکتے ہیں در پر ترے ساتوں افلاک | سادگی یہ کہ پہن لیتے ہیں سادہ پوشاک
فہم و ادراک سے بالا تری فہم و ادراک | ہے سیاست کی تری سارے زمانہ میں دھاک

تجھ سا دنیا میں کوئی صاحبِ تدبیر نہیں
کونسا علم ہے جس پر تری تسخیر نہیں

چار سو علم نوازی کی ہے تیری اک دھوم | کیوں جہالت نہ زمانے سے ہو بالکل معدوم
کیوں نہ مٹ جائیں زمانے سے خرافات رسوم | حکمراں جبکہ زمانے پہ ہو سلطانِ علوم

علم کی نہریں بہائی ہیں وہ تو نے شاہا
تشنگی اپنی بجھا لیتا ہے ہر ایک پیاسا

عقل و دانائی میں ہے شاہ فلاطونِ زماں | شوقِ تعمیر میں ہے رشکِ دہ شاہ جہان
عدل میں تجھ کو جو کسریٰ کہوں ہو کسرِ شاں | حکمرانی سے رعیت ہے تری سب شادان

ہے دلوں پر بھی حکومت تری اے ظلِ خدا
تجھ سا سلطان کسی دور میں ہوگا نہ ہوا

دورِ عثمان کے حالات کا کیا ذکر کروں | ذات اقدس کے فیوضیات کا کیا ذکر کروں
شہ کے اکرام و عنایات کا کیا ذکر کروں | سایۂ حق کی کرامات کا کیا ذکر کروں

کوئی دیکھا نہ رفیق آج تک ایسا سلطاں
فخرِ دین فخرِ زمین فخرِ زماں ۔ فخرِ جہاں

معدن مفردات
یونانی ادویہ کا زبردست گودام
حسب الحکم صدر المہام بہا صیغہ طبابت
ممالک محروسہ سرکار عالی کے جملہ یونانی دواخانہ جات کیلئے تمام ادویہ اسی گودام سے خریدے جاتے ہیں
دار السلطنت حیدرآباد میں یہی ایک گودام ہے جہاں اصلی اور
تازہ ادویات کا کثیر اسٹاک ہر وقت موجود رہتا ہے
ہر دوا اپنے مقام پیداوار سے منگوائی جاتی ہے
ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارے اس وسیع ترین گودام میں کوئی دوا ناقص یا مصنوعی نہیں ہے۔
پس عمدہ، اصلی، اور تازہ یونانی ادویات کے لئے آپ ہمیشہ ہمیں یاد فرمایئے
باوجود ان خوبیوں کے قیمتوں میں کفایت
حکیم شہاب الدین حسین علوی خانی
مالک و مہتمم معدن مفردات
افضل گنج حیدرآباد دکن
زلیخا ہیر آئیل
امتحان کردہ دار التجربہ سرکار عالی ۱۲۲۹
زلیخا ہیر آئیل خالص روغن نارجیل (کھوپرا) سے تیار کیا گیا ہے جس کا ثبوت
یہ ہے کہ موسم سرما میں یا برف میں رکھنے سے جم جاتا ہے۔ اس تیل کے استعمال سے
سر کے بال لمبے سیاہ چمکیلے اور ملائم ہوتے ہیں بالوں کو گرنے سے روکتا اور سفید ہونے سے بچاتا
ہے علاوہ دماغی کام کرنیوالوں کیلئے بھی بیحد فائدہ مند ہے دماغ کو تقویت اور آنکھوں میں ٹھنڈک
پیدا ہوتی ہے شوقین طبع معززین و محترم بیگمات نے اسکو بہت پسند فرمایا ہے۔ اسکی خوشبو بھی
نہایت عمدہ اور خوشگوار ہے قیمت فی بوتل ایک روپیہ۔ ہر جگہ ملتا ہے۔
برقی قوام عنبری
یہ قوام مشک، زعفران، ورق طلا و نقرہ وغیرہ سے طبی اصول پر تیار کیا گیا ہے دل و دماغ کیلئے حد درجہ مقوی
و مفرح ہے پان میں کھانے سے فرحت و ایک لطیف ذائقہ پیدا ہوتا ہے اور منہ میں بہت
دیر تک خوشبو باقی رہتی ہے۔ فی تولہ ایک شیشی عہ نصف تولہ درجہ اول فی تولہ دو روپیہ
پتہ: زلیخا ہیر آئیل کمپنی افضلگنج حیدرآباد دکن
دنیائے عطریات کے تین شاہکار
(جو)
اعلیحضرت خسرو دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ
کی فرمائش اور پسندیدہ ترکیب کے موافق چھ ماہ کی محنت شاقہ سے تیار ہوئے
(اور جن کے نام)
عطر نظام مست مدن
فی تولہ عسہ و عمہ روپیہ
عطر نظام سیوتی
فی تولہ عسہ و عمہ روپیہ
مرغوب عثمانیہ
فی تولہ عسہ و عہ روپیہ
بارگاہ خسروی سے تجویز فرمائے گئے
استعمال کرنے کے بعد اپنی اور اپنے احباب کی رائے کا اندازہ کیجئے
اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ یا شاخ گلزار حوض
حیدرآباد دکن سے طلب فرمایئے

فضل علی

(۲)

ڈاکٹر سید سجاد صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی (لندن) پروفیسر جامعہ عثمانیہ

یہ مشہور "دہ مجلس" کا مصنف ہے۔ "دہ مجلس" کے متعلق آزاد کا بیان ہے کہ یہ اردو نثر کی پہلی کتاب ہے جو ۱۱۴۵ھ م ۱۷۳۲ء میں لکھی گئی۔ انھوں نے مصنف کا پورا نام نہیں دیا ہے۔ بلکہ صرف تخلص فضلی سے یاد کیا ہے۔ اور اس کا زمانہ محمد شاہ (۱۷۱۹ء سے ۱۷۴۸ء) کا عہد قرار دیا ہے۔ اس کی کتاب کے دیباچہ سے ایک مختصر سا اقتباس پیش کیا ہے۔ آزاد کے بعد تمام تذکرہ نویس انہیں مختصر باتوں کا اعادہ کرتے رہے ہیں۔ اور اسی اقتباس کی بنا پر انہوں نے فضلی کی زبان پر جو تنقید کی ہے وہ حق بجانب نہیں ہے۔

کریم الدین نے (تذکرہ شعرائے ہند صفحہ ۵۷) مصنف کا پورا نام اور اس کے دیباچہ کا بڑا حصہ نقل کیا ہے۔ دیباچہ کے بقیہ حصہ سے جس کو اس نے بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ اور جو غالباً مصنف کے حالات زندگی پر مشتمل تھا۔ یہ اطلاع بہم پہونچتی ہے کہ جب فضلی نے دہ مجلس لکھی تو اس وقت اس کی عمر ۲۲ سال سے اکیس تھی ۱۱۴۵ھ م ۱۷۳۲ء ہے یہ لفظ منظر سے جو ایک قطعہ میں واقع ہوا ہے نکلتا ہے۔ اور دوسرا ۱۱۷۰ھ م ۱۷۵۶ء پورے شعر سے حاصل ہوتا ہے پہلے سن کے متعلق وہ کہتا ہے کہ یہ تکمیل کتاب کی تاریخ ہے۔ اور دوسری نظر ثانی کی۔ ان اعداد سے ظاہر ہے کہ فضلی ۱۷۱۱ء میں پیدا ہوا اور کم از کم ۱۷۵۶ء تک زندہ رہا۔

وہ اپنے باپ کا نام نواب شرف علی بتاتا ہے۔ جو بظاہر ایک خوش حال اور ذی اثر آدمی ہے۔ فضلی کا مولد و منشا تاریکی میں چھپا ہوا ہے۔ لیکن کریم الدین اور آزاد کے بیانات سے کہ وہ محمد شاہ کا ہمعصر تھا۔ پایا جاتا ہے کہ وہ شمالی ہند کا باشندہ ہو گا۔ اس کے علاوہ فضلی نے اپنے ایک خواب کے ذکر میں جسے وہ نہایت جوش و تفصیل سے بیان کرتا ہے ایک عمارت کا حوالہ دیا ہے۔ جس کو وہ بلحاظ خصوصیات "قدم شریف" کے مشابہ بتاتا ہے۔ یہ مشہور عمارت جس کے متعلق فرض کیا جاتا ہے کہ اس میں پیغمبر اعظم کے قدم مبارک کے نقوش محفوظ ہیں۔ ابھی تک موجود ہے۔ اور شہر دہلی کے مغرب میں واقع ہے جس سے یہ سراغ لگتا ہے کہ فضلی دہلی کا باشندہ تھا۔ یہ قیاس فضلی کے طرز نگارش اور زبان کی خصوصیات سے اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ فضلی عقائد میں شیعہ اور مذاق میں شاعر تھا۔ کریم الدین لکھتا ہے کہ فضلی نے حمد و نعت میں کئی نظمیں اور واقعہ کربلا میں مرثیے لکھے لیکن ان میں شاعری کا کوئی کمال نظر نہیں آتا۔

جیسا کہ دیباچہ سے واضح ہوتا ہے۔ فضلی نے اصل میں اپنی کتاب کا نام "کربل کتھا" رکھا تھا۔ کریم الدین نے اسے "دہ مجلس" بنا دیا حالانکہ کتاب میں مجالس تعداد میں بارہ ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک فارسی کتاب "روضۃ الشہداء" کا ترجمہ ہے۔ جو حضرت علیؑ اور ان کے خاندان کی شہادت کے احوال پر مشتمل اور حسین واعظ کاشفی کی تصنیف ہے۔ فضلی کے بیان کے مطابق یہ مکمل کتاب کا ترجمہ نہیں بلکہ اس کے فارسی خلاصہ کا ترجمہ ہے کریم الدین کے پاس اس کا ایک نسخہ تھا جسے اس نے شروع سے آخر تک پڑھا تھا تاہم نسخہ میں نہیں آیا کہ اس کا کوئی نسخہ محفوظ ہے۔

جیسا کہ فضلی کہتا ہے پہلے پہل اصل کتاب سلیس اور عام فہم زبان میں لکھی گئی تھی۔ جسے عورتیں اور جاہل آدمی بھی سمجھ سکتے تھے۔ بعد میں اس پر نظر ثانی کی گئی۔ اور اس کو رنگین بنانے کے لئے تصنع اور تکلف کا التزام کیا گیا۔ بہر صورت اصل کتاب کا متن دیباچے سے زیادہ سادہ زبان میں تھا۔ آزاد نے دیباچہ کا جو ٹکڑا آبحیات میں درج کیا ہے یہ صرف وہ ہے جس میں قافیہ بازی اور الفاظ کی دھوم دھام کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آزاد کے زمانہ تک نثر کا متوازن اور خوبصورت ڈھانچہ کس قدر مرغوب طبع تھا۔ دیباچہ کا بقیہ حصہ جو بجائے خود نامکمل ہے۔ پانچ صفحات پر مشتمل ہے اس سے ہم کافی طور پر اندازہ کر سکتے ہیں کہ فضلی کے عہد میں شمالی کتنی قوت اور صلاحیت جو تھی اس کی زبان میں ... ... معانی ہے۔ اگر ہم ان چند جملوں کو نظر انداز کر دیں جن میں ... لفظ و آواز کا عمداً اہتمام کیا گیا ہے۔ تو یہ طرز نگارش حیرت انگیز طور پر قدرتی اور سیدھا سادہ نظر آتا ہے اس زمانہ ... ... انگریزی کا انشا پرداز اس سے دلچسپ نثر پیش نہیں کر سکتا ہے فضلی کا موضوع مذہبی ہے لیکن اس کا طرز شروع سے آخر تک دلی ہے۔ اس نے اپنے مطالب کو بڑی قابلیت کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اور اس کے اسلوب محاورات اس کے دلی کے ہونے کے متعلق ناقابل نزاع شہادت پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ مثال سے ظاہر ہوتا ہے۔

"اس نے کہا بھائی اور آشنا تمہارے سب کیا ہو گئے اور تم اب تک یہیں بیٹھے رہے بلکہ تمہاری سواری گھوڑا ابھی گیا جوں میں نے سنا گھوڑا ابھی گیا خوش ہوا۔ اسے جواب یا بھلا ہوا گیا۔ لاکن میں تو یہاں سے گیا ہوں نہ جاؤں گا۔"

درحقیقت اسے دہلی کی علومہ قدیم ترین نثر کہتے ہوئے مجھے کوئی پس و پیش نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فضلی سودا یا نہ طرز کا آدمی تھا۔ وہ فارسی اور عربی کے بڑے بڑے الفاظ لاتا ہے۔ لیکن ان کی نوعیت ایسی ہے۔ کہ ہر دور کے اردو بولنے والے تعلیم یافتہ طبقوں میں وہ مشترک رہے ہیں۔ وہ الفاظ کی خفیت کو خوب جانتا ہے اور بوجھل ترکیبوں کے قریب نہیں جاتا اور آزاد کے بعض متروک الفاظ استعمال کرتا ہے جیسے لیکن کی بجائے لاکن۔ لگ بجائے تک اور فرمایا کے لئے فرمائے۔

مضمون بالا ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات کا ایک ٹکڑا ہے۔ جو اب اردو میں پیش ہو رہا ہے۔

عہد عثمانی

از کپتان اعجاز علی صاحب شہرت

وہاں تک شہ لے فلک پہونچے دامن عہد عثمانی
جہاں انصاف و عدل و داد کی ہوتی ہو قربانی

جہاں اک گلہ بان خود بھیڑیا بن جائے گلے کا
جہاں ہوں امن کے الفاظ کے معنے پریشانی

جہاں بیداد کی دیبی ہو پیاسی خون انسان کی
جہاں یکسر نظر آتی ہو آبادی و ویرانی

جہاں اک جانور کا ذبح بھی ہو مخرب ملت
جہاں انسان کرے فرط غضب سے قتل انسانی

جہاں کے مزرعوں میں بوئی جائیں لاشیں انسان کی
لہو کی ہو جہاں بارش بجائے آب بارانی

جہاں چشم تعصب میں وفاداری بغاوت ہو
جہاں انصاف پرور آپ ہوں بیداد کے بانی

جہاں اہل ستم کے حکم میں قسمت ہو بیکس کی
جہاں انصاف کے خواہاں بنائے جائیں زندانی

جہاں ہو کجروی حاکم جہاں ہو اس لئے مجرم
گرانی ہو محبت کی مصیبت کی ہو ارزانی

جہاں کے سوختہ سامان گیاہ و آب کو ترسیں
جہاں کے صاحب ثروت کریں ظالم کی مہمانی

جہاں آبادی اسلام یوں ویرانہ بن جائے
بہا لیجائے جیسے باغ کو گنگا کی طغیانی

فضائے حیدرآباد دکن سے رشک جنت کر
جہاں نار جہنم کی طرح ہے شعلہ افشانی

رواداری سلطان دکن کا سکہ جاری کر
کہ پائے ذرہ ذرہ مہر تاباں کی درخشانی

ہوائے پرچم آصف دم عیسیٰ گردوں ہے
دکن کی خاک اطہر ہے دوائے سوختہ جانی

تعالی اللہ ہے راحت مہد عہد آصف سابع
وہ ظل عاطفت کہتے ہیں جس کو فضل سبحانی

رواداری کے قائل مفسدہ پرداز ہیں دل میں
خلل انداز ہو سکتا نہیں اغوائے شیطانی

خدا کی جس طرح رحمت ہے یکسر اپنے بندوں پر
اوسی انداز سے ہے فیض گستر ظل سبحانی

ندا دیتے ہیں شان و عدل و احسان و کرم اوسکو
کہ زیبا ہے اوسی کے فرق پر تاج جہانبانی

جناب مولوی ظفریاب خان لسان الملک سابق مدیر رسالہ ادیب

سلطنت بہمنیہ کا بانی سلطان علاءالدین حسن گنگوئی بہمنی ہے۔ اس کا اصلی نام حسن ہے۔ دہلی کا باشندہ تھا اور نہایت درجہ عسرت و تنگدستی میں بسر کرتا تھا۔ آخر اسی تنگ رہی سے تنگ آکر اسنے زراعت کی جانب توجہ کی جس کے ساتھ ہی اس کا افلاس خوش حالی سے بدل گیا ابھی وہ زمین کی استواری ہی میں مصروف تھا کہ اسکو اشرفیوں کا بہت بڑا دفینہ ملا اور اس نے کمال دیانت اور عالی حوصلگی سے اسکو مالک زمین کانگو (برہمن منجم شہزادۂ محمد تغلق) کے پاس پہنچا دیا کان گوئی اس دیانت پر متحیر ہو گیا اور اس واقعہ کو شہزادہ سے بیان کیا اور شہزادہ نے اسکی اطلاع اپنے باپ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ سے کی سلطان اس واقعہ سے بیحد متاثر ہوا اور حسن کو منصب امیران صدہ سے سرفرازی بخشی۔ مورخین کا بیان ہے کہ حضرت سلطان نظام الحق والدین قدس سرہٗ العزیز نے ایک موقع پر اسکو بادشاہی مملکت دکن کی بشارت دی تھی جس کے بعد اسکے حوصلے بڑھ گئے۔ وہ محمد تغلق شاہ استاد قتلغ خاں گورنر دولت آباد کے ہمراہ دکن آیا۔ کچھ عرصہ امیران صدہ کے ساتھ بغاوت میں شریک ہوا جس میں خود مختاری کا اعلان کرتے ہوئے دکن کا تعلق سلطنت دہلی سے منقطع کر دیا گیا تھا اسکی ذاتی قابلیت، بلند حوصلگی اور ہر دلعزیزی کی وجہ سے امیران صدہ کے منتخب کردہ بادشاہ ناصر الدین شاہ نے اسکے حق میں تخت سے دست برداری اختیار کی اور حسن کے ہاتھ پر جو اس وقت ظفر خاں کے خطاب سے ممتاز تھا بیعت کر لی۔ حسن نے سلطان علاءالدین کا لقب اختیار کر کے ۷۴۸ھ میں تاج سلطانی زیب سر کیا اور گلبرگہ کو حسن آباد کے نام سے موسوم کر کے اسکو دارالامارۃ قرار دیا۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی جس کے حالات درج ذیل ہیں اسی سلسلہ کا آٹھواں تاجدار اور خاندان بہمنیہ کا گل سر سبد ہے

نام و نسب

اس کا اصلی نام فیروز خاں ہے داؤد شاہ بہمنی کا بیٹا اور علاءالدین حسن گنگوئی بہمنی بانیٔ سلطنت بہمنیہ کا پوتا تھا یہ خاندان اپنے کو بہمن مشہور شاہ ایران کی اولاد سے سمجھتا تھا۔ وہ اپنے خاندان کا آٹھواں بادشاہ تھا۔ حسن آباد گلبرگہ میں پیدا ہوا۔ کم سنی ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اپنے چچا محمود شاہ بہمنی کے آغوش عاطفت میں پرورش اور تربیت پائی بچپن ہی سے ہونہار اور ذی اطلاع تھا۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

تعلیم و تربیت

اسکی تعلیم و تربیت کے لئے بڑے بڑے اہل علم و فضل مقرر تھے جن سے اس نے اکثر علوم و فنون مثلاً تفسیر، اصول، حکمت، فلسفہ، ریاضی، ہندسہ، اقلیدس، معانی وغیرہ میں مہارت کامل حاصل کی۔ اسکے اساتذہ میں مولانا میر فضل اللہ انجو شاگرد رشید علامہ سعد الدین تفتازانی بھی تھے۔ ان علوم کے علاوہ اس نے علم تصوف اور اصطلاحات صوفیہ میں بھی کمال حاصل کیا تھا

تخت نشینی

سلطان شمس الدین کے عزل کے بعد ۸۰۰ھ میں تخت جہانبانی پر متمکن ہوا۔ اسکا دارالامارہ شہر گلبرگہ تھا۔

خصوصیات

خاندان بہمنیہ میں اس سے بہتر بادشاہ نہیں ہوا صاحب السیف والعلم تھا۔ مختلف علوم و فنون میں درجہ اجتہاد رکھتا تھا باایں ہمہ صوفی منش رعایا پرور سادگی پسند، دلدادۂ آزادی۔ قدردان علماء و سادات ہمدرد۔ رقیق القلب اور متواضع تھا وہ ان بے نظیر خصوصیات میں اپنے ہمنام شہنشاہ دہلی فیروز شاہ باربک سے بہت زیادہ مماثلث رکھتا تھا۔

علمی ذوق

سلطنت کی غیر معمولی مصروفیت کے باوجود اس نے اپنے علمی ذوق کے اظہار میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ اس نے ہفتہ میں تین دن شنبہ، دوشنبہ اور چہارشنبہ طلبہ کے درس کے لئے وقف کر رکھے تھے اور ان ایام میں اکثر علوم و فنون علی الخصوص ریاضی، کلام، ہندسہ، اقلیدس اور معانی میں تقریر کرتا اور درس دیا کرتا تھا۔ اگر احیاناً دن میں فرصت نہیں ملتی تھی تو اسکے لئے رات میں وقت نکال لیا کرتا تھا۔

اوقات

اس کے اوقات پسندیدہ کا بڑا حصہ امور خیر اور رفاہ عام کی تکمیل میں بسر ہوتا تھا۔ شہنشاہ اورنگ زیب کی طرح وہ روزانہ قرآن کریم کا ایک جزو لکھا کرتا تھا۔ صبح کی نماز و عبادت کے بعد وہ خلق اللہ کی دادرسی اور حاجت گزاری میں مصروف ہو جاتا۔ اسکے بعد علماء، شعرا اور مشائخ اس کے دربار میں جمع ہو جاتے جنکی صحبت سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا اس موقع پر وہ اپنے مرتبۂ شاہی سے نیچے اتر آتا، اور حاضرین و مصاحبین کے ساتھ برادرانہ سلوک اور مساوات کا برتاؤ کرتا تھا۔ وہ درباریوں سے کہا کرتا تھا کہ جس وقت تک میں امور مملکت کے تصفیہ کے لئے تخت پر بیٹھا رہوں بادشاہ ہوں اور مجبوراً اسکے فرائض بجا لاتا ہوں تاکہ سیاست قائم رہے اور سلطنت میں بدنظمی پیدا ہونے پائے دوسرے اوقات میں بھی تم میں کا ایک فرد ہوں تم کو چاہیئے کہ دوسروں کی طرح میرے ساتھ بھی بے تکلفانہ برتاؤ کیا کرو تاکہ میں بادشاہی اور اسکے بالعکس دونوں زندگیوں کا لطف اٹھاتا رہوں۔ اہل دربار کو عام اجازت تھی کہ رات کے دربار میں جس وقت چاہیں آئیں اور جب چاہیں چلے جائیں۔ اسکے علاوہ کھانے پینے کی جن چیزوں کی ضرورت ہو ملازمین شاہی سے بے تکلف طلب کر لیا کریں اور بادشاہ سے بجز دو باتوں کے جو چاہیں کہیں۔

(۱) دنیوی معاملات میں کسی قسم کی گفتگو نہ کیجائے اور اسکو امور سلطنت کی انجام دہی کے وقت کیلئے اٹھا رکھا جائے۔

(۲) ایک دوسرے کی غیبت اور بدگوئی نہ کرے

اسلام کی نسبت خیال اگرچہ شعار اسلام کا وہ بیحد دلدادہ تھا۔ بریں ہم اس نے مختلف مذاہب کے علماء و فضلاء مقرر کر رکھے تھے۔ جب سے وہ انکے مذہبی معلومات کی نسبت گفتگو اور بحث و مباحثہ کیا کرتا تھا اس کا قول تھا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برگزیدہ انبیاء ہیں اسی طرح مذہب اسلام بھی بہتر یا ادیان سے ہے

رواداری وہ بے جا تعصب سے بالکل آزاد تھا۔ چنانچہ امور سلطنت کی انجام دہی کے وقت مسلمانوں کی طرح ہنود کے ساتھ بھی رواداری کا برتاؤ کرتا تھا اور اکثر ہنود بڑے بڑے عہدوں پر فائز اور امور مملکت میں دخیل تھے۔

بہادری و مردانگی جس طرح وہ مختلف علوم و فنون میں کامل اور عجیب و غریب صفات کا حامل تھا۔ اسی طرح وہ تہور و مردانگی میں بھی یکتا تھا۔ اکثر مہموں میں وہ بنفس نفیس موجود رہتا اور فوج کی کمان خود کیا کرتا تھا۔ اس نے اپنے زمانہ حکومت میں ۲۴ مرتبہ میدان جہاد میں قدم رکھا اور مخالفین حکومت و اعدائے اسلام کو نیچا دکھایا اسکے معاصرین میں دیو رائے والی بیجانگر نہایت قوی اور شان و شکوہ کا راجہ تھا۔ اس نے بعض دفعہ اس سے سرکشی کی اور ہر وقت منہدم و مغلوب ہوا اور بے اندازہ دولت اور خراج دیکر اپنی حکومت اور جان بچائی۔

ہندوؤں سے رشتہ مناکحت ہندوؤں سے رشتہ مناکحت کا سہرا اگرچہ شہنشاہ اکبر کے سر باندھا جاتا ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اسکی ابتداء فیروز شاہ بہمنی سے ہوئی۔ علاوہ ان مختلف اقوام اور مذاہب کی عورتوں کے جو اسکے محل میں تھیں۔ دیو رائے والی بیجانگر اور نرسنگہ رائے والی قلعہ کھڑلہ نے نہایت منت و سماجت کے ساتھ اپنی حسین و جمیل لڑکیاں اسکے شبستان کی زینت کے لئے پیش کیں چنانچہ والی بیجانگر نے اپنی لڑکی کے جہیز کے علاوہ جو اشیاء بطور پیشکش دیں۔ وہ دس لاکھ ہون۔ پانچ من مروارید۔ پچاس زنجیر فیل۔ دو ہزار کنیزوں اور غلاموں پر مشتمل تھیں۔ عقد کے بعد سلطان فیروز شاہ دیو رائے کی استدعا پر اپنی نو عروس کے ساتھ سسرال کا قصد کیا تو اسکے پا انداز کے لئے مخمل۔ اطلس اور زربفت کا فرش گزرگاہ پر بچھایا گیا اور داخلہ کے وقت شہر کی نازنین عورتوں اور مہ جبین لڑکیوں نے سونے اور چاندی کے پھول دو طرفہ نچھاور کئے۔ جب وہ وسط شہر میں پہنچا تو والی بیجانگر کے تمام اعزا و اقارب زر و جواہر نثار کرتے ہوئے دارالامان تک اس کے جلو میں پا پیادہ گئے جہاں اس نے اپنی عروس کے ساتھ تین دن قیام کیا۔ جب واپس ہونے لگا تو دیو رائے نے شاہانہ تکلفات کے ساتھ اسکو رخصت کیا اور بمقابلہ سابق دو چند پیشکش گزرانا خود بھی چار کوس تک بطریق مشایعت گیا اور درمیان میں موقع پاکر اتفاق و یکجہتی کی نسبت استدعا کی۔

تعمیر رصدگاہ سلطان کو دیگر علوم و فنون کیطرح چونکہ علم ریاضی و ہندسہ میں بھی کمال حاصل تھا اسلئے اُس کے دربار میں اس فن کے بہترین حکماء و فضلاء کا اجتماع تھا۔ اس نے اپنی ذاتی دلچسپی کے لحاظ سے دولت آباد میں تعمیر رصدگاہ کا حکم دیا۔ چنانچہ اس اہم کام کی تکمیل کیلئے حکیم حسن گیلانی اور سید محمود کازرونی کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ کام شروع ہوا لیکن حکیم حسن گیلانی کی افسوسناک وفات کی وجہ سے ناتمام رہا۔ یہ عمارت اب بھی دولت آباد میں موجود ہے اور زبان حال سے اپنے بانی کی عظمت اور علوم و معارف پروری کی داستان سنا رہی ہے۔

پری جمال پرتھال دختر زرگر کا واقعہ قصبۂ مدگل میں جو اسکی سلطنت میں واقع تھا اور جو آجکل سرکار عالی سے تعلق رکھتا ہے ایک مفلوک الحال زرگر کے مکان میں پرتھال جیسی برہم زن دین و ایمان پری پیکر پیدا ہوئی۔ لڑکی حسن و جمال میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی اس کا جسم سر سے پاؤں تک سانچہ میں ڈھلا ہوا تھا۔ جو اسکو دیکھتا اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آتا۔ اس ملائک فریبی اور تناسب اعضاء کے ساتھ قدرت نے اسکو نہایت درجہ شیریں آواز اور حسن تکلم بھی عطا فرمایا تھا۔ اسکے ماں باپ نے چاہا کہ اپنے رسم و رواج کے مطابق کم سنی ہی میں کسی ہم قوم اور ہمجنس لڑکے کے ساتھ اسکی شادی کردی جائے لیکن پرتھال نے ارادہ معلوم کرکے قطعاً انکار کردیا اور کہا مجھے میرے حال پر چھوڑ دو جس خدا نے مجھے حسن و جمال سے سرفراز فرمایا ہے وہی اس کا انتظام بھی کردیگا کچھ عرصہ کے بعد ایک برہمن نے جو پرتھال کا استاد موسیقی تھا۔ اسکے حسن خداداد کی تعریف و توصیف دیو رائے والی بیجانگر سے کی دیو رائے نادیدہ عاشق ہوگیا اور اسکے حصول کے لئے برہمن کو کثیر زر و جواہر دیکر مدگل روانہ کیا۔ برہمن آیا اور زر و جواہر کا لالچ دیکر ماں باپ کو راضی کرلیا لیکن سمجھدار مہ جبین نے اس رشتہ سے سخت نفرت کا اظہار کیا اور انکار کردیا اور ماں باپ کو سمجھایا کہ اسی اسلامی ملک میں ان کے لئے اسباب عیش و کامرانی مہیا ہو جائینگے۔ دیو رائے کو اس انکار سے سخت صدمہ ہوا عشق و محبت کے ہاتھوں بیقرار ہوکر اپنے ساتھ بیشمار لشکر لیکر مدگل پر حملہ بول دیا تاکہ اس برہمزن ملک و دولت کو اسکی مرضی کے خلاف جبراً حاصل کیا جائے جب مدگل کے باشندوں کو دیو رائے کی لشکر کشی کا علم ہوا تو انہوں نے اور ان کے ساتھ پری تمثال پرتھال اور اسکے ماں باپ نے بھی راہ فرار اختیار کی۔ مدگل پہونچکر دیو راؤ کو اپنی بدقسمتی اور ناکامی پر سخت صدمہ ہوا اور نہایت رنج و الم کے ساتھ اس نے مراجعت کی۔ واپسی پر اسکو لشکر اسلام کے ہاتھوں سخت صدمہ اٹھانا پڑا۔ فیروز شاہ بہمنی نے بعد میں اس نازیبا حرکت اور بیجا جسارت کا اس سے سخت انتقام لیا جب اس سے فراغت ہوئی تو سلطان نے ایک جماعت کو مدگل بھیجکر فتنۂ روزگار پرتھال کو اس کے ماں باپ کے ساتھ اپنے دربار میں طلب کیا اور اسکو دیکھکر بے ساختہ اسکے حسن خداداد کی تعریف کی اور کہا کہ میں بوڑھا ہوں اور یہ حسن کی دیوی جوان ہے۔ پس اس کے لئے نوجوان شہزادہ (ولیعہد سلطنت) حسن زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔ پرتھال کے ماں باپ کو کثیر مال و دولت کے علاوہ ان کا سکونتی گاؤں جاگیر میں دیکر شاد کام رخصت کیا۔ پرتھال کا عقد شاہانہ شان و شکوہ کے ساتھ شہزادہ حسن کے ساتھ باندھا گیا۔ اور حسن و مہ جبین جوڑا عیش و کامرانی کے ساتھ زندگی گزارنے لگا۔

امیر تیمور کے پاس سفارت سنہ ۸۰۱ھ میں امیر تیمور صاحبقراں کی ہندوستان میں آمد کی خبر سنکر از راہ دور اندیشی امیر تقی الدین محمد و امادہ میر فضل اللہ آنجو کو مولانا لطف اللہ سہروردی کی رفاقت میں نفیس اور بیش قیمت تحائف اور مخلصانہ پیام کے ساتھ سمرقند روانہ کیا جہاں پہنچکر یہ سفارت کچھ مہینے تک تیمور کی مہمان رہی

امیر نے اسکی بہت عزت و توقیر کی اور پیشکش قبول کیا امیر نے جواب میں اسکو "فرزند خیر خواہ" سے مخاطب کیا اور سلطان کے لئے شمشیر مرصع چار قبہ ملوکانہ ایک ترکی غلام اور چار نہایت نفیس اور نامی گھوڑے تحفۃً روانہ کئے۔

حضرت سید محمد گیسو دراز حسینی علیہ الرحمتہ اس نے زمانہ قیام فیروز آباد میں سنا کہ عالی مقام عرش احترام حضرت سید محمد گیسو دراز حسینی نے دہلی سے دکن کا قصد فرمایا ہے اور گلبرگہ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ اس بشارت کے ساتھ ہی وہ فیروز آباد سے گلبرگہ آیا۔ تمام امرائے سلطنت۔ ارکان دولت اور شہزادگان والاتبار کو استقبال کے لئے روانہ کیا اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ دارالامان میں لایا لیکن افسوس ہے کہ اپنی فلسفیانہ طبیعت کی وجہ سے حضرت شیخ کے فیض صحبت سے بہت کم مستفید ہوا۔

فیروز آباد کی تعمیر سلطان کو بڑی حد تک فن تعمیر سے بھی دلچسپی تھی اس نے اپنے قیام کے لئے نہر پنہورہ کے کنارے نہایت خوبی و نفاست کے ساتھ ایک شہر تعمیر کرکے اسکو فیروز آباد سے موسوم کیا اور نہر پنہورہ کو کاٹ کر اسکا پانی قلعہ میں لایا گیا شہر کی تمام عمارتیں پختہ پتھر اور گچ سے تعمیر ہوی تھیں جس میں کشادہ سڑکیں وسیع بازار اور دلکش عمارتیں تھیں۔

شاعری سلطان کو علوم و فنون کے ساتھ فن شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ ابتداءً اس کا تخلص عروجی تھا بعد میں فیروزی اختیار کیا وہ فارسی میں اہل زبان کی طرح شعر کہتا تھا اشعار ذیل اسکے شاہد ہیں۔

بداں مشابہ زخم دہر بردلم تنگ ست
کہ دل بہ لذت سودائے عشق و جنگ ست
گل امید شگفت از نسیم وعدہ وصلے
ز آفتاب غم انتظار بیرنگ ست
بقطع راہ محبت مخور فریب امید
کہ غایت ابدش ابتدائی فرسنگ ست
بجز سرود محبت نکرد زمزمہ ہائے
کہ ہر چہ خارج ازیں پردہ تنگ آہنگ ست
دلی بہ سینہ لبالب ز دوستی دارم
کہ پیش اہل جہاں بے بہا تراز سنگ ستا

دماغ طبع عروجی چہ دل کشا چمنی ست
چمن مگوے کہ آں آسمان فرہنگ ست

کرشمہ جنبش آموز ست مژگاں مہ نازش را
ستم گردست واجب ہر زماں تعلیم نازش را
محبت چاک بر دل می زند ہر گہ کہ دار برمی
بجوہ مخصوص می بینم تغافل ہائے نازش را
مباد آسیب نقصاں باید از سوز دلم یارے
بدل چوں رہ دہم اندیشہ زلف درازش را
نیابد لذتے زاہد ز وصلت از متاع خلد
ہماں بہتر کہ در دامن کنی احیز نمازش را
عروجی قامت و رخسار تاں خورشید تاباں را
بسرو و لالہ می سنجد کہ بیند امتیازش را

سفر آخرت سلطان فیروز شاہ نے تقریباً چھبیس سال تک نہایت قابلیت، بیحد شان و شکوہ۔ کمال بیدار مغزی اور رعایا پروری کے ساتھ حکومت کرکے ۱۰ شوال ۸۲۵ھ کو سفر آخرت اختیار کیا اور اپنے جد و پدر کے قریب زیر زمیں ایک شاندار گنبد میں آسودہ ہے

مورخ فرشتہ کی رائے "از برکت میر فضل اللہ رنجو کہ از شاگردان خوب ملا سعد الدین تفتازانی ست آں شہنشاہ بے نظیر ایں ہمہ کسب حیثیت و فضیلت نمودہ بود واز قیاس چناں مفہوم میگردد کہ دانش وے زیادہ از دانش پادشاہ محمد تغلق شاہ بودہ"

رُباعی

در آتش ہرزہ فکر زایل نہ کنی | اندیشہ بہر خیال مائل نہ کنی
ایں نقد خزینۂ دماغ ست بگوش | تا صرف بجنسہائے باطل نہ کنی

تضمین بر غزل حافظؒ

از نواب ضیا یار جنگ بہادر

به مالِ و زر چه کنی روئے عز و جاہت بس　　ز چشمِ مرحمتِ دوست یک نگاہت بس
چراغ گوشۂ تنہائیے تو آہت بس　　دلا رفیقِ سفر بخت نیک خواہت بس
نسیم روضۂ شیراز پیکِ راحت بس

شدست سینہ چو مجمر ز آتشِ بیداد　　کجا زبانِ سپندم کہ تا کنم فریاد
مرا ز مدرسہ یاد است گفتۂ استاد　　فلک بمردمِ ناداں دہد زمامِ مراد
تو اہلِ دانش و فضلی ہمیں گناہت بس

ببیں ز غربتِ دیرینہ ام چگونہ سقیم　　خوش آں گدا کہ زند سر بر آستانِ کریم
چناں روم کہ ز گل نکہت و ز نافہ شمیم　　ہوائے مسکنِ مالوف و عہدِ یارِ قدیم
ز رہروانِ سفر کردہ عذر خواہت بس

دریں زمانہ کہ شد عیش گاہِ بیکاراں　　ز شیخ خانقہ و میکدہ ز پیرِ مغاں
چگونہ چارہ نماید کجا رود انساں　　بمنتِ دگراں خو مکن کہ در دو جہاں
رضائے ایزد و انعامِ پادشاہت بس

ضیاؔ بدستِ تو کردست بیعت ای حافظ　　ازاں ز فیضِ تو بر داشت شہرت ای حافظ
تو ای کہ یافت سخن از تو رفعت اے حافظ　　بہیچ وردِ دگر نیست حاجت اے حافظ
دعائے نیم شب و وردِ صبحگاہت بس

برار کا آئینی مستقبل

از مولوی سید مبین الرحمٰن ایم ایل سی وکیل آکولہ

گذشتہ دس سال میں مسئلہ استرداد برار جن منازل سے گذرا ہے اسکی مثال ہندوستان کی آئینی تاریخ میں بہت کم دستیاب ہوگی۔ ابتدا میں جب اعلیٰحضرت خسرو دکن نے اپنا مشہور تاریخی مراسلہ مورخہ ۲۵ اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء لارڈ ریڈنگ کو تحریر فرمایا اور استرداد برار کا مطالبہ باقاعدہ طور پر حکومت ہند کے سامنے پیش کیا تو گمان غالب یہی تھا کہ یہ مراسلت نتیجہ خیز ثابت ہوگی اور برار کی عنان حکومت اسی صوبہ کے آئینی آقا کو تفویض کردیجائیگی اس زمانہ میں قدرتاً یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ متذکرہ بالا مطالبہ پیش کرنے کے قبل حکومت حیدرآباد اور وائسرائے وقت سے گفت و شنید ہوچکی ہوگی مگر لارڈ ریڈنگ کے نام نہاد قطعی جواب نے ان تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

عین اسوقت جب تمام سیاسی حلقے ناامید ہوچکے تھے۔ حیدرآباد ڈنر کے موقع پر سر سموئل ہور نے اپنی تقریر میں اسی مسئلہ کی طرف اشارہ فرماکر استرداد برار کی امیدوں کو از سر نو زندہ کردیا مبصرین اس امر سے واقف تھے کہ ہندوستان کے وضع آئین کے وقت مسئلہ برار محاذ پیشین میں ضرور آئے گا۔ خصوصاً اس لئے کہ ملک کی آئینی قسمت کا فیصلہ اسوقت تک ناممکن ہے جب تک کہ صوبہ برار کے آئینی مستقبل کا فیصلہ نہ کیا جائے۔

ازاں اس مسئلہ کی تجدید کو سیاسی حلقوں میں زیادہ تعجب کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ گو ہندوستانی اخباری دنیا میں سر سموئل ہور کی تقریر متذکرہ بالا نے ایک حد تک ہلچل پیدا کردی۔ چند کوتاہ اندیش ہندوؤں کی فرقہ وارانہ ذہنیت انہیں خاموش بیٹھنے کی کب اجازت دے سکتی تھی آخر کار سر ریجینالڈ کریڈک صوبہ متوسط کے سابق چیف کمشنر جو اس ملک کی شومئی قسمت سے آج پارلیمنٹ کے ممبر ہیں انکے ذریعہ انگلستان کے دار العوام میں استرداد کے خلاف سوالات کرائے گئے اپنے دور میں سر ریجینالڈ ہندو نواز چیف کمشنر مشہور تھے اور اس صوبہ کے مہاراشٹری طبقہ سے آپکا دیرینہ تعلق ہے۔ صاحب موصوف نے حسب توقع استرداد برار کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ہندوستان کی مجلس وضع قوانین یعنی اسمبلی میں بھی مسٹر جوگ کے ذریعہ متعدد سوالات کرائے گئے۔ جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اوقات اس مسئلہ کے خاطر خواہ حل کی امیدیں پیدا ہوجاتی تھیں بعض اوقات بہی خواہان صوبہ بالکل ناامید ہوجاتے تھے بالآخر سر ٹیریمنس کینز کی الوداعی ضیافت کے موقع پر اعلیٰحضرت خسرو دکن کی تقریر کے چند جملوں نے یہ ترشح کردیا کہ اس مسئلہ کا حسب خواہش فیصلہ ہوگیا ہے دور بیں سیاسی حلقوں میں یہ کبھی بھی یقین نہیں کیا جاتا تھا کہ برار کا موجودہ طرز حکومت ایک دم تبدیل کردیا جائیگا یا اس کا تمام نظم و نسق حکومت حیدرآباد کو تفویض کردیا جائے گا۔ ملک کے سیاستداں اس امر سے واقف تھے کہ خسرو دکن اہالیان برار کو ذمہ دار حکومت مرحمت فرمانے کا سنہ ۱۹۲۳ء کے مکتوب ملوکانہ میں وعدہ فرماچکے ہیں اور ظاہر ہے کہ اعلیٰحضرت کے مطالبہ سے زیادہ حقوق حکومت حیدرآباد کو حاصل نہیں ہوسکتے تھے۔ ان واقعات کے باوجود یہ امر قریب قریب یقینی معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان کے مجوزہ دستور اساسی میں برار کو اعلیٰحضرت خسرو دکن کے تحت علیحدہ آئینی حیثیت حاصل ہوجائیگی اور صوبہ متوسط اور برار کے الحاق سے موخر الذکر صوبہ کو جو مالی اور انتظامی نقصانات ۳۰ سال سے ہورہے ہیں انکا ایک حد تک سدباب ہوجائیگا۔ اسمیں کلام نہیں کہ اس مسئلہ کے متعلق تمام گفت و شنید صیغۂ راز میں ہے اور یقینی طور پر کوئی شخص فیصل شدہ شرائط کے متعلق رائے زنی نہیں کرسکتا۔ مگر وہ اطلاعات جو انگلستان سے اس صوبہ میں مختلف ذرائع سے پہونچ رہی ہیں اگر صحیح ہیں تو آیندہ آئینی تغیرات سے صوبہ برار کو کسی قسم کا بھی فائدہ حاصل نہوگا مسٹر رام راؤ دیشمکھ سابق منسٹر سی۔ پی گورنمنٹ نے جو گذشتہ اجلاس جوائنٹ کمیٹی میں ہندو مہاسبھا کی طرف سے شہادت دینے کے لئے انگلستان تشریف لیگئے تھے۔ اپنے ایک لکچر میں نہایت ہی وثوق کے ساتھ یہ بیان فرمایا ہے کہ برار کو آیندہ دستور اساسی میں صوبہ متوسط سے علیحدہ آئینی حیثیت حاصل نہ ہوگی۔ اور خسرو دکن کے تحفظ حقوق شہنشاہیت کے متعلق جو افواہیں گشت کررہی ہیں وہ غلط ہیں صاحب موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ مجوزہ آئین میں زیادہ سے زیادہ سمجھوتہ ہوگا (جس تصفیہ کا مقصد یہ ہے کہ صوبہ متوسط برار کے محاصل کا ۸۰ فیصدی روپیہ برار کی ضروریات پر صرف ہو) کو قانونی شکل دیدیجائے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ پارینہ تصفیہ کسی حالت میں بھی اہالیان برار کو مطمئن نہیں کرسکتا۔ برار کی سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ نہ صرف مالیات کے معاملات میں بلکہ تمام مسائل حکومت میں انہیں صوبہ متوسط کی اکثریت کا دست نگر رہنا پڑتا ہے یہ شکایت محض میزانیہ کی تقسیم سے دور نہیں ہوسکتی اسکا رفع ہونا محض اسوقت ممکن ہے جبکہ برار کی علیحدہ کونسل اور وزارت وجود میں آئے۔ مسٹر رام راؤ کی تقریر متذکرہ بالا نے صوبہ کے اکثر حلقوں میں ایک ہیجان و بےچینی پیدا کردی ہے اور بہی خواہان وطن درگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ مسٹر رام راؤ کا بیان غلط ثابت ہو اور خسرو دکن کی حقیقی شہنشاہیت کے تحت آیندہ دستور اساسی میں برار کے تمام آئینی حقوق کا تحفظ عمل میں آئے۔

آسایش آرام راحت
زندگی کی یہ تینوں بیش بہا نعمتیں
جہاں کہیں یا جس کسی مقام پر آپ کو میسر آئیں آپ اس مقام کو بلاشبہ جنت کا نمونہ کہینگے
ویکاجی ہوٹل اینڈ کیفے
شاندار اور وسیع عمارت، عمدہ آرام دہ فرنیچر، بہترین برقی قمقمے اور پنکھے
ہندوستانی۔ انگریزی، اور اٹالین، ہر قسم کے لذیذ کھانے، خوش ذائقہ مٹھائیاں
برقی قوت سے جدید ترین طریقہ پر تیار کی ہوئی مخصوص اور بہترین ڈبل روٹی وسوڈا لیمن وغیرہ
لنچ۔ ٹی۔ ڈنر
بہترین بلیرڈ روم
کیٹرنگ وودیگر فرمائشات کی تعمیل حسب دلخواہ فی الفور کیجاتی ہے جس کو دوسروں کے مقابلہ میں
امتیاز خصوصی حاصل ہے
قیام کا معقول انتظام ہے
گھر سے زیادہ سہولت اور آرام
آپکے آرڈر کے امیدوار
تشریف آوری کے متمنی
آر ویکاجی اینڈ کو کوٹھی محسن الملک مرحوم چادر گھاٹ حیدرآباد دکن ٹیلیفون ۱۴۴

"درمیخانہ وا ہست و چمن وقف بہار انست"

(از)

مولوی مسعود علی محوی بی اے علیگ سابق سشن جج

بیا زاہد برون از صومعہ جوش بہار آنست | نمایش گاہ صُنع ایزدی صحن گلستانست

مکلل قلۂ کوہ است از اکلیل ریحانی | پر از گلہائے رنگارنگ داماں بیابانست

ہوا از نکہت گل چوں دم عیسیٰ است جاں پرور | فضا از ابر دریا دل چو مریم پاکدامانست

نسیم صبح ہر دم میزند دم در ہواداری | سلیمانست گل صحن چمن ملک سلیمانست

فلک یکسر نہاں از لکہ ہائے ابر نوروزی | زمین سرتا بسر از سبزۂ نوخیز پنہانست

ز آب و تاب حسن لالۂ نعمان چہ می پرسی | کہ ایں خونین جگر پروردۂ خون شہیدانست

مگر مست شراب نوجوانی می رسد ساقی | کہ ہر سو مجمع رندان و بزم میگسارانست

بحمد اللہ کہ آخر یوسف گم گشتۂ مارا | رگ یاد وطن جنبید و رویش سوئے کنعانست

صبا مے آورد بوئے خوش از پیراہن یوسف | بسان دیدہ یعقوب روشن باغ و بستانست

شراب و شکر و چنگ و رباب و ساغر و مینا | بجشن مقدم خیرش مہیا جملہ سامانست

بزیر ہر شجر ہنگامۂ رقص پریرویان | بروئے ہر شجر آہنگ مرغان غزلخوانست

ثنائے گلشن آرائے جہاں تحریر کیکان | دعائے پادشاہ وقت تسبیح ہزارانست

خدیو دادگر عثمان علیخاں آصف دوران | کہ اہل ملک را ماویٰ و ملجائے غریبانست
بعالم سایہ یزدان، و زیر سایہ اش عالم | نگہبانش خدا خلق خدا را او نگہبانست
بسویش می نہد رو ہر کہ دل تنگ است در عالم | بخوان دولت او عالمے ناخواندہ مہمانست
نہ تازی ماند، بے بہرہ نہ ایرانی نہ تورانی | سحاب فیض او بر جملہ عالم گوہر افشانست
برائے راحت مخلوق بر خود می نہد زحمت | ہمیں شانِ جہانبانی و شایان جہانبانست
بہم آوردہ ارباب ہنر را جوہر قدرش | کزاں ملک دکن امروز رشک روم و یونانست
درین عہد مبارک شد چناں علم و عمل رایج | کہ افلاطون بحکمت کمتر از طفل دبستانست
چنان آراست روئے شہر را مشاطۂ رایش | کہ چوں روئے عروساں با ہزاراں شوکت و شانست
نمی گردد نگاہ شوق از سیر درو باش | نظر گاہ تماشائے جناں ہر کاخ و ایوانست
علوم مغربی را میدہد پیرایہ مشرق | ز مشرق تا مغرب ذکر ایں کار نمایانست
اگر خواہی کہ آثار بزرگان سلف بینی | بشاہ ما نگر کو جامع آثار ایشانست
ز افکار بلندش غلغلہ افتاد بر گردون | عطارد کاتب نثر است، و ناہید شعر خوانست

غزل

امید اندر جہاں سرچشمۂ تمکین انسانست | توانِ دست و بازو ہست آرام دل و جانست
ازیں افسونِ جاں پرور چہ می پرسی کہ ایں افسوں | دم پیران، و روح نوجوانان، جان طفلانست
ازیں شاداب و سرسبز است یکسر گلشنِ ہستی | کہ یار نخلبندان، آبیار کشتکارانست
مدہ اے تشنہ کام آرزو از دست دامانش | کہ ایں خضر طریقت رہنمائے آب حیوانست

نمی دانند اربابِ ہوس ایں نکتہ را شاید | کہ خود دردِ طلب مردانِ حق را عین درمانست
شبستانِ خیال کیست یارب سینہ صافم | کہ دردے از فروغِ جلوہ ہا بزم چراغانست

چہ نسبت عاشق آشفتہ را با مصلحت بینی — کہ مرد عشق از روز ازل نامصلحت دانست
نمی دانم کجا رو آورم اندر جنون محرمی — کہ از فرہاد کہسار است وز مجنوں بیابانست

بمدح خواجۂ خود در تختی چند ایں شکر محوی — کہ از شیرینیش ملک معانی شکرستانست
چہ از عرض ہنر مقصد چہ از لاف سخن حاصل — چو خود شاہ ہنر پرور سخن سنج و سخندانست
نمی آید چو حصر مدح شہ کردن ہماں بہتر — دعا را دست برداری کہ آمین ثنا خوانست

خدا از چشم زخم حاسداں او را نگہ دارد
کہ او یک تن کنوں چشم و چراغ دین و ایمانست

(ہم نے اپنے محترم دوست مولوی عنایت اللہ صاحب سے سالگرہ نمبر کے لئے مضمون لکھنے کی فرمائش کی تھی مولوی صاحب نے یہ کہتے ہوئے کہ انہوں نے ساری عمر ترجمہ کرنے میں گزاری، ذیل کا پاکیزہ ترجمہ عنایت فرمایا ہے۔ مولوی عنایت اللہ صاحب کو ترجمہ کرنے میں خاص مشق اور مہارت حاصل ہے اور اس لحاظ سے آپ ہندوستان کے چند مخصوص افراد میں شمار کئے جاتے ہیں (ایڈیٹر)

یہ یونانی نسل کی ایک شریف زادی بڑی عالم و فاضل تھی۔ اسکندریہ میں رہا کرتی تھی۔ باپ اس کا ایک مشہور ریاضی دان تھا۔ خود فلاسفر تھی اور اسکندریہ کے کتب خانہ میں جدید فلسفۂ فلاطونی پر بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے لکچر دیا کرتی تھی۔ عیسوی مذہب یونان کی اصنام پرستی کو اس وقت دنیا سے مٹا رہا تھا۔ ہائی پے شیا کی کوشش تھی کہ کسی طرح مسیحی مذہب کی دست برد سے اپنے قدیم آبائی مذہب کو تصوف کے پردے میں بچالے۔ مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اور بطریق اسکندریہ کے ایک ماتحت پادری بطرس نامی نے نہایت بے رحمی سے ہائی پے شیا کو قتل کر دیا۔ اس کے مرنے پر یونانی مذاہب فلسفے کا خاتمہ ہوگیا اور جو درسگاہیں ان کی تعلیم و تلقین کے لئے باقی رہ گئی تھیں وہ بھی سب بند ہوگئیں۔ انگلستان کے مشہور ناولسٹ چارلس کنگسلے نے ایک کتاب ہائی پے شیا کے حالات میں لکھی ہے۔ ایک موقع پر ہائی پے شیا نے اپنے مذہب پر ایک بڑی تقریر لوگوں کے سامنے کی۔ یہ تقریر بہت بڑی ہے۔ لیکن اس کے ایک فقرہ میں اس کے بہت سے مذہبی خیالات بڑی خوبی سے بیان ہوئے ہیں۔ اس فقرہ کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

بڑی برکت والے ہیں وہ لوگ جن کی آسمانی قرابت نے ازل سے ایسے اوقات کو ان کے مقدر میں لکھا کہ کمزور انسان کے دل پر راز قدرت کی بجلی دفعتاً کوند جائے۔ گرمی کے تاروں بھرے آسمان کی نورانی شوکت میں سیلاب نیل کے شور میں جس کی ہر موج زمین کو شاداب کرتی جاتی ہے۔ پرانے زمین دوز بت خانوں کی خوفناک ظلمت میں۔ قدیم مطربان "آرفائی" کے مستانہ ترانوں میں یا ان سنگین بتوں کے سامنے جو عکس تھا ان خداؤں کا جن کے حسن کمال کی اڑتی سی جھلک یونان کے مقدس صوفیوں نے دیکھ لی تھی اور جمال الٰہی کے کیف میں بیتاب ہو کر ساحر کے سحر کی طرح اسکو برفانی پتھر کا بنا کر سرمدی خواب اس پر طاری کر دیا تھا۔ ان سب میں چشم ایمان پر چمک اٹھتی ہے وہ صورت جو حسین ہے اور خوفناک طاقت والی ہے اور قوت والی۔ روح ہے اور حیات ایک ہے اور سو ہزار گنی ایک ہے جو کل موجودات میں ایسی ہی سرعت سے پہونچی ہوئی ہے جیسے ہوا کہ مطرب کے ساز کو چھیڑ گئی ہے اور نازک تار لرز لرز کر اپنے ہی نغموں پر رقصاں ہیں۔ ایک ہی خون ہے جو کائنات عالم کی صد ہزار ہزار شرائین میں دوان ہے جس کا منبع ہے ایک ہی دل جو نظر سے پوشیدہ ہے جس کی دھڑکن سنائی دیتی ہے دور اور بہت دور ہمیشہ کے لئے اس خاموش دنگ رکھنے والی فضا میں۔ دور اور بہت دور آسمانوں سے اور کہکشان سے۔ دور اور بہت دور مکان و زمان سے جو نقطۂ چشمے ہیں۔ اس بحر بے پایاں کے جس میں حیات کا پانی تڑپتی اور چمکتی موجوں میں چھلک چھلک کر بہ رہا ہے۔"

اس فقرہ کے بعد ہائی پے شیا پر غش کا عالم طاری ہوگیا۔ پوری تقریر ترجمہ کے قابل ہے لیکن اصنام پرستی کی تلمیحات اس کثرت سے ہیں کہ صاف ترجمہ ہونا نہایت دشوار ہے۔

قطعات تاریخ سالگرہ

از جناب عبدالحلیم صاحب بشر

امروز کہ ہر سو بہ دکن جشن بپا ہست | خنداں ہمہ ہستند چو گلہا بہ گلستاں
در معجمہ بنوشت بشر باد ہمایوں | پر نور نکو سالگرہ ات شہ عثماں

۱۳۵۲ھ

از محمد اصغر قادری صاحب الجبد

حق تعالیٰ کے فضل و رحمت سے | ہو مبارک یہ نیک فال گرہ
تو کہو سال تہنیت الجبہ | شاہ عثماں کی ہے یہ سالگرہ

۱۳۴۳ف

تخمیس

برکلام فیض التیام شہنشاہ سخن تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ

از مولوی عبد اللہ خاں صاحب کامل

دلِ عشاق تا در دامِ زلفِ مہ جبیں باشد | بفتنہ گرم تا بازارِ چشمِ نرگسیں باشد
نیاز و ناز کش تا پیشِ نازِ نازنیں باشد | مہ و خورشید تا رخشاں سپہرِ چرخِ بریں باشد
سریر آرا نظام الملک بر روئے زمیں باشد

عجب امروز ہر شیشہ کہ دستِ مئے فروش آید | پیالہ در خروش آید دلِ رنداں بجوش آید
زہر جانب لبِ سازِ باد آوازِ سروش آید | زہر سازِ طرب ایں نغمۂ دلکش بگوش آید
مبارک عید اضحیٰ با امیر المومنیں باشد

بعونِ اللہ نصرت چاکر و اقبال دربانش | فلک برکف بہ راہش مشعلِ خورشید رخشانش
چمن بندِ ارم گلچینِ باغ روئے تابانش | خدا ناصر نبی حامی شہِ مرداں نگہبانش
وقار افزودلِ دکن آباد و دولت ہمقریں باشد

نہ زادہ مادرِ گیتی مثیلِ آصفِ سابع | نہ دیدہ دیدۂ گردوں عدیلِ آصفِ سابع
براہِ خضر بنہادہ سبیلِ آصفِ سابع | الٰہی رشتۂ عمرِ طویلِ آصفِ سابع
دراز از شاخِ طوبیٰ محکم از حبل المتیں باشد

بہ پایش می فشانم جاں بسکسر بیگراں جانی | بہ جائے صد جہاں جاں بہ بخش ظلِ یزدانی
بہ ملکِ جاں ترا زیبد سریر و تاجِ سلطانی | رخت چوں گل شگفتہ از نسیم لطفِ رحمانی
بد اندیشت پریشاں خاطر و اندوہگیں باشد

بہ پیشِ دستِ جودش بحرِ عماں قطرۂ از یم | بہ وزن ریزۂ بذلش بود کانِ بدخشاں کم
پئے زخمِ دلِ خستہ دروناں نامِ او مرہم | کفیل و چارہ فرما ہم محافظ ہم معاون ہم
تو باشی خلق را رہبر تو رب العالمیں باشد

سلیماں تخت و آصف حکمت و اسکندر دوراں | کریم النفس چوں یوسف عدالت را انوشرواں
بہ کامل تو ی شاہا بہ بزمِ انجمِ شاہاں | فلک تا ہست بالائے زمیں قائم ترا عثماں
ظفر در قبضۂ و ملکِ جہاں زیرِ نگیں باشد

اعلیحضرت غفران مکاں کی ابتدائی تعلیم

از نواب سرور الملک بہادر

نواب سرور الملک بہادر اعلیحضرت غفران مکانؒ کے اتالیق اور معتمد تھے، ان کی خود نوشتہ سوانح عمری "میری زندگی" میں حیدرآباد کی گذشتہ سیاسی اور معاشری زندگی ایک حد تک قلمبند ہو گئی ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں۔ اصل کتاب جو اردو میں ہے عنقریب شائع ہوگی ہم "مائی لائف" سے دو دلچسپ ٹکڑوں کا یہاں ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ جو حضرت غفران مکانؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور مخلافی دربار سے متعلق ہیں (صبح دکن)

ایک روز علی الصبح میں تیار ہو کر شاہی محل کی طرف روانہ ہوا بگی خانہ پر اتر جانے کے بعد میں قصر چو محلہ میں داخل ہوا اور اس طرح آفتاب محل میں آیا۔ یہاں تہنیت یار الدولہ، مستحکم جنگ اکرام جنگ، عرض بیگی اور معز الدین و فصیح الدین سے میری ملاقات ہوئی۔ حکیم باقر علی خاں مسیح الدوران خان، ڈاکٹر محمد اشرف اور ڈاکٹر محمد غلام دستگیر چبائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سب سے مصافحہ کیا

اس کے تھوڑی دیر بعد ہی ایک بڑے امیر خاندان کے چشم و چراغ تشریف لائے، بڑے خوبصورت اور موٹے تازے تھے جسم میں جامہ و سر پر دستار تھی جس پر طرہ لگا ہوا تھا۔ مجھ سے کہا گیا کہ یہ نواب خورشید جاہ کے فرزند نواب ظفر جنگ ہیں جو سبق پڑھنے میں ہز ہائی نس کے ساتھی رہیں گے اس موقع پر ہرکارہ نے اطلاع دی کہ کیپٹن آرہے ہیں اور چارفیا تک پہونچ چکے ہیں۔ مستحکم جنگ انہیں لینے کے لئے دروازہ تک گئے اور تہنیت یار الدولہ نے چوبدار کو حکم دیا کہ ہز ہائی نس کو باہر لانے کیلئے زنانہ میں کہدیا جائے۔ کیپٹن کلارک آئے اور ہم سب سے مصافحہ کیا۔ ہم سب پریشان تھے کہ کہیں ہز ہائینس پہلی دفعہ انگریز سے ملکر خوفزدہ نہ ہو جائیں لیکن میں نے ہز ایکسیلنسی وزیر اعظم کو مطمئن کر دیا ہز ہائینس ایک ہوادار (کھلی ہوئی پالکی) میں تشریف لائے ان کے جلو میں بیسیوں خادمائیں تھیں کیپٹن کلارک استقبال کے لئے آگے بڑھے لیکن میں نے انہیں منع کر دیا۔

محل کے داہنی سمت کے کمرے میں میز اور کرسیاں رکھی گئیں۔ کیپٹن کلارک میں ظفر جنگ اور مستحکم جنگ اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے گو ہز ہائی نس کے چہرہ سے خوف و دہشت کے آثار نمایاں نہیں تھے تاہم وہ پریشان سے معلوم ہوتے تھے۔

میں نے اپنی جیب سے دو تین تصویریں نکالیں اور انہیں ہز ہائی نس کے سامنے رکھ کر ان کے متعلق اس انداز سے کہنا شروع کیا کہ ظفر جنگ ہنسنے لگے، کیپٹن کلارک کی اجازت سے میں نے عرض کیا کہ ہز ہائینس اب تشریف لیجا سکتے ہیں کیپٹن کلارک مجھ سے بہت خوش تھے۔ چنانچہ وہ مستحکم جنگ کے ساتھ مجھے بھی لے گئے۔

دوسرے روز میں اپنے ساتھ ایک خوبصورت جلد لے گیا جس میں جانوروں کی تصویریں اور ان کے اعمال کے متعلق چھوٹے چھوٹے قصے تھے جب ہم سبق پڑھنے بیٹھ گئے تو میں نے اس کتاب کا وہ صفحہ کھولا جس پر ایک شیر کی تصویر تھی۔ میں انگریزی پڑھتا اور اس کا مطلب اردو میں سمجھاتا تھا کیپٹن کے اشارے سے میں نے کہا کہ ہز ہائی نس کا سبق ختم ہو چکا اور وہ رخصت ہو سکتے ہیں۔

دوسرے روز میں ایک پنسل اور سلیٹ لیگیا۔ کہانیاں پڑھنے سے سبق کی ابتدا ہوئی اور میں نے ان کے سامنے سلیٹ رکھکر شیر کی ایک ناقص تصویر کھینچی۔ ظفر جنگ نے اس پر اعتراض کیا اور کیپٹن کلارک اور مستحکم جنگ ہنسنے لگے ہز ہائی نس نے میرے ہاتھ سے قلم چھین لیا اور تصویر کے نقص کو دور کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ دو چار روز میں ہم بے تکلف ہو گئے

ہز اکسلنسی وزیر اعظم مجھ سے بہت خوش تھے چنانچہ مستحکم جنگ کے ذریعہ ہز ہائینس کی خدمت میں انہوں نے ایک گھوڑی اور تورا بھیجا تاکہ وہ مجھے تحفۃً عنایت فرمائیں، کیپٹن کلارک نے مجھے دعوت دی اور مولوی سید حسین بلگرامی مولوی سیادت علی نظام یار جنگ اور دوسرے حضرات بھی موجود تھے اس موقع پر میں مرادآبادی طرز کا ایک عمامہ باندھے ہوئے تھا جس پر سید صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے مجھے سوکنی کہا۔ ان کا یہ کہنا اس وجہ سے صحیح تھا کہ اپنی پہلی بڑی کامیابی کے بعد میں اپنے آپ کو فراموش کر گیا تھا اس اعتراض سے میں چونک گیا اور عمامہ کو اتار کر پھر دستار پہننے لگا۔

دوسرے روز میں نے انگریزی حروف تہجی کو شروع کرایا اور ظفر جنگ پر غصہ ہو کر ہز ہائینس کی نظروں میں اپنا وقار قائم کیا۔ اس کے بعد روزانہ سبق کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا ہم ہز ہائی نس اور ظفر جنگ کے ساتھ بیٹھے اور محل کے سامنے کے صحن میں ہز ہائی نس کے دوسرے ملازم وغیرہ رہتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد ہز اکسلنسی نے یہ کہکر مجھے اپنے یہاں کی ملازمت سے نکالدیا کہ وہ ان اشخاص سے کام نہیں لیسکتے جو محل میں ملازم ہیں میں نے اپنے بھتیجے رفیع الدین بیگ کو وہاں نوکر رکھا دیا۔ یہ بات اکبر علی نامی ایک شخص کو بہت ناگوار گذری جو ایک وقت میرے ساتھ کننگ کالج میں پڑھتا تھا اس شخص نے میرے اور مولوی سید حسین کے درمیان ناراضی پیدا کی اور مجھے ایسی مصیبت اور اضطراب میں پھنسا دیا جس کا اثر میں اب تک بھی محسوس کرتا ہوں۔ یہ ناراضی اتقدر

پڑھی کہ اکثر مواقع پر شاہی محل سے میرے تعلقات تقریباً منقطع ہو جانے کو تھے لیکن میری کوشش کے بغیر اس عالم الغیب نے میری امداد کی اور نقصان سے بچا لیا۔ ہز ہائینس کے معلموں میں سے میں ایک ہی ایسا شخص رہ گیا ہوں جس کے ہاتھوں ہز ہائینس کی تعلیم اختتام کو پہونچی اور جس پر ہمیشہ الطاف شاہانہ رہے۔

اپنا وقار قائم رکھنے کیلئے میرا ارادہ تھا کہ ایک انگریزی تجویز پر عمل کروں۔ لیکن یہ ناممکن تھا کہ ظفر جنگ کو دھکی دیجائے۔ ظفر جنگ ایک بڑے امیر خاندان کے چشم و چراغ تھے اور دوسرے امیرزن کی بہ نسبت بڑا رتبہ رکھتے تھے۔ انہیں سزا دینے کا سوال ہی خارج از بحث تھا۔ میں نے یہ طے کیا کہ منصب واروں کے بعض لڑکوں کو علیحدہ علیحدہ تعلیم دیجائے۔ دوسرے الفاظ میں میری زیر نگرانی گویا ایک چھوٹا سا اسکول قائم ہونیوالا تھا۔ اس کام میں اپنی امداد کیلئے میں نے مرزا رفیع الدین بیگ کا انتخاب کیا مجھے اپنے شاگردوں میں سے صرف ممتاز علی کا نام یاد رہ گیا ہے۔ جو ممتاز یار جنگ کا خطاب رکھتے ہیں اور افسر اسلاک کے داماد ہیں۔

کسی زمانہ میں یورپ میں عام رواج تھا کہ شاہی خاندانوں کے بچوں میں ڈسپلین قائم رکھنے کیلئے " ہپنگ بوائز کو ملازم رکھا جاتا تھا لیکن شاہان دہلی کا طریقہ اس سے بالکل مختلف تھا اور ملاجیون عالمگیر کو بڑی بے دردی سے پیٹتے تھے۔

ہز ہائی نس کو انگریزی صبح سے دوپہر تک پڑھائی جاتی تھی۔ مولوی زمان خان شہید مخصوص اوقات میں اپنا سبق پڑھاتے تھے اور سہ پہر میں مظفر الدین خوشنویسی کی مشق کراتے تھے مولوی صاحب بڑے یار باش بزرگ تھے اور ضرورت مندان کے اثر سے فائدہ اٹھاتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک غریب الوطن بے روزگار شخص کو وزیر اعظم کے پاس لے گئے اور کہا " آپ مختار الملک ہیں اور میں آپ کے پاس ایک محتاج الملک کو لایا ہوں " نواب صاحب نے یہ سنکر ایک معقول منصب جاری کر دیا۔

خوش قسمتی سے مجھے بھی مولوی صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا، ہز ہائینس کو قرآن شریف پڑھانے کے علاوہ فارسی کا سبق دینے کے متعلق بھی تصفیہ ہوا تھا۔ فرصت کے اوقات میں اکثر

مولوی صاحب سے مشورہ کیا کرتا تھا وہ بڑے مقدس آدمی تھے۔ شہر کے لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان کے ہاں منطق فلسفہ اور دوسرے علوم کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے شاگردوں کا ہجوم رہتا تھا۔

مولوی صاحب کو جس طرح شہید کیا گیا وہ عجیب و غریب قصہ ہے ان کے شاگردوں میں ایک مہدوی پٹھان نوجوان تھا جو حیدرآباد کے مہدوی پٹھانوں کے امام سید نصرت کا مرید تھا۔ مولوی زمان خان نے مہدوی فرقہ کے خلاف ایک بڑی کتاب لکھی تھی اور ان کے امام سید نصرت اس کا جواب دینے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ دفعتاً اس نوجوان کو مذہبی جنون پیدا ہوا اور مولوی زمان خان کو ٹھکانے لگانے کا ارادہ کر لیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس دن اس کی ماں نے نہلا دھلا کر اُسے سپید کپڑے پہنائے آنکھوں میں سرمہ لگایا اور گلے میں پھول کا ہار ڈال کر اسے خنجر پیش کرتے ہوئے کہا کہ " غازی بنو اور ہمیں بچاؤ " یہ بہادر نوجوان مولوی صاحب کے پاس پہونچا جو اس وقت نماز عصر کے بعد قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے اس نوجوان نے وہاں نفل کی دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد اٹھکر مولوی صاحب کے پیٹ پر خنجر اس زور سے بھونکدیا کہ وہ جان بحق تسلیم ہوئے۔

اس وقت وزیر اعظم وائسرائے سے ملنے کے لئے کلکتہ گئے ہوئے تھے اور ان کے بھانجے نواب مکرم الدولہ نائب کی حیثیت سے کام کر رہے تھے مولوی صاحب کے قتل کی خبر نے سارے شہر میں سراسیمگی پیدا کر دی اور قاتل پنچل گوڑہ کو بھاگ گیا۔ اور سید نصرت کے پاس شہر کے لوگ اور خصوصاً مندوزئی پٹھان وغیرہ اس قتل کا بدلہ لینے کے لئے تیار تھے شہر کے دروازہ بند کر دئے گئے مکرم الدولہ نے اس وقت بڑی جرات سے کام کیا اور شہر کے لوگوں سے کہا کہ ہز اکسلنسی کی واپسی کے بعد اس کا پورا بدلہ لیا جائے گا۔ جب ہز اکسلنسی واپس ہوئے تو انہوں نے شہر میں مہدوی پٹھانوں کے داخلہ کی ممانعت کر دی۔ قاتل کو سزائے موت دیگئی اور وزیر اعظم نے سید نصرت کو اپنے گھر میں نظر بند کر لیا خدا جانے قاتل کو جنت ملی یا دوزخ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس نے مجھے بڑا نقصان پہونچایا اور میرے ایسے دوست کو ہلاک کیا جو میری بڑی ہمت افزائی اور امداد کرتا تھا مولوی صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی مسیح الزماں خاں ان کی بجائے مقرر ہوئے میں ان کے ساتھ وزیر اعظم کے ہاں بھی کام کر چکا تھا انہوں نے کچھ عرصہ کے بعد مستحکم جنگ کو محل کے انتظامات سے بے دخل کر دیا اور بگی خانہ اور اصطبل کے سوا تمام محکموں کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی اور وہاں اپنا اتنا اثر قائم کر لیا کہ وزیر اعظم بھی ان کو مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ مجھ سے اس قدر چوکنے رہتے تھے کہ جب ہم ملتے تو دور ہی سے سلام کر لیتے تھے۔

حیدرآباد کے مغلائی دربار کا پہلا نظارہ

رمضان کا مہینہ قریب الختم تھا اور عید الفطر منانے کی تیاریاں ترقی پر تھیں۔ شاہان دہلی کے زمانہ میں خاص طور پر ایک محکمہ قائم تھا کہ اس مبارک مہینہ میں کوئی غیر شرعی کام نہ ہونے پائے اور یہ محکمہ نگرانی کرتا رہتا۔ اس محکمہ کے افسر اعلیٰ کے ذمہ بازار کے نرخوں کے تعین اور اوزان و پیمانوں کی دیکھ بھال کا کام تھا، اس کے علاوہ وہ اس مہینہ میں شراب خواری، قمار بازی اور اسی قسم کی دوسری بیہودگیوں کو روکتا تھا

عید کے روز قاضی صاحب باہر نکلتے ہیں اور شہر کے لوگ اپنے اپنے اعزاز و مرتبہ کے لحاظ سے عمدہ عمدہ لباس پہن کر مختلف گروہوں میں روانہ ہوتے ہیں بعض گھوڑوں پر بیٹھکر نکلتے ہیں۔ اور بعض

(بقیہ صفحہ [illegible])

جملہ سندجات یافتہ گورنمنٹ نظام و ہز ہائنس رائل پرنس آف ویلز و ہز مجسٹی کنگ افغان و دیگر والیان ہندوستان
خان حافظ ممتاز علی کنفکشنر ممتاز منزل متصل دار الشفاء حیدرآباد دکن
ممتاز جام فیاکٹری
مثل ولایتی کے ہمہ قسم کا۔ لاسنجر۔ پیپرمنٹ۔ چاکلیٹ۔ کوکو۔ ٹافی۔ حلویات
شرقیہ۔ و سوٹ۔ فرنچ۔ ٹرکی۔ پرشیا۔ و مربہ جام جیلی و چٹنی۔ اچار۔ مغلائی مٹھیاں میوہ مصنوعی بادام
جالی بادام شربت اصلی۔ سرکہ خالص۔ عرقیات۔ ہر وقت تیار۔ فہرست مفت۔ بیوپاریوں سے
خاص رعایت۔ بیرون مال ذریعہ وی۔ پی۔ نوٹ۔ اقسام طعام۔ انگریزی۔ مغلائی دسترخوان
فرنچ۔ ٹرکی پرشیا۔ ٹی۔ پارٹی۔ لنچ۔ ڈنر۔ وغیرہ وغیرہ کی آڈر پر تعمیل کیجائیگی۔ ایکبار آزمایش
(المشتہر منیجر)
آپ کیوں پریشان ہیں
اگر آپ اشتہاری ادویہ سے مایوس ہو چکے ہیں
تو ایک مرتبہ ان گولیوں کا استعمال کیجئے تو ہماری
صداقت کا علم ہو جائیگا۔ یہ گولیاں شرطیہ
طور پر جملہ امراض معدہ کو دور کر کے خون کی
تولید بڑھاتی ہیں۔ استعمال شرط ہے۔
قیمت آٹھ عدد گولیاں فی ڈبیہ
ایک روپیہ چار آنہ سکہ عثمانیہ
ہمارے ملک کے عام پسند اشیاء
ہماری کمپنی کے حسب ذیل تیار کردہ اشیاء نہ صرف
اسی ملک میں پسند کئے گئے ہیں بلکہ غیر ممالک میں بھی مقبولیت
حاصل کر چکے ہیں۔ چنانچہ میسور کی حالیہ نمایش میں کمپنی کے
تیار کردہ اشیاء کو پسند کیا جا کر سرٹیفکٹ عطا کیا گیا ہے۔
ہیر آئیل
سینٹ
پشتبار ہیر آئیل
لیشپ تارا سینٹ
نور دکن
راما
ترکی حور
کرشنا
چنبیلی
اٹو نور دکن
نسل
اٹو پشتبارا
شاردا اسنو
جلد کو ملایم کرتا کیل دہنیاں دور کرکے
چہرہ میں ملاحت پیدا کرتا ہے قیمت فی شیشی
امید کہ ہمارے ملکی بھائی اس ملکی صنعت کی سرپرستی فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائینگے۔
ہم کو یقین ہے کہ صرف ایک شیشہ کے استعمال سے آپ ہمارے مستقل خریدار بن جائینگے
بھگوان اینڈ کمپنی مینوفیکچرنگ پرفیومرس گلزار حوض حیدرآباد دکن
REGISTERED
HAIR OIL
Bhagwan & Co
HYDERABAD

چاند ہائٹ پریس

عنایت اللہ دایابھائی
سوداگر چوبینہ و فرنیچر و ٹھیکہ دار
اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن
ٹیلیفون نمبر ۲۲۴ تار کا پتہ "عنایت"

INAYATULLAH DAYABHAI,
Timber & Furniture Merchant and Contractor.
Station Road, HYDERABAD-Dn.

TELE PHONE No. 224
GRAMS: "INAYAT"

FIDA HUSSAIN INAYATULLAH.

Contractor on Government List, Licensed Plumber to Water Works and Drainage H. E. H. the Nizam's P. W. D.

Building Contractor, Designs and Estimates prepared for all kinds of Buildings large stock of Hardware, Sanitary fittings, Water Pipe connections etc.

ALL KINDS OF TIMBER & FURNITURE.

B. G. Station Road
TELEPHONE No. 224.

Siddiamber Bazar,
Near Fida Ali Petrol Merchant.
Phone No. 34.

HYDERABAD-Deccan.

ٹیلیفون نمبر ۲۲۴		**فدا حسین عنایت اللہ**		تار کا پتہ "عنایت"

سرکار عالی کے اجازت یافتہ ٹھیکہ دار و لائسنس پلمبر - آب رسانی و ڈرنیج -

بڑی سے بڑی عمارتوں کی تعمیر کا ٹھیکہ لیا جاتا ہے حسب ضرورت و حسب خواہش عمارت کے نقشے و برآورد ات تیار کئے جاتے ہیں - سامان ضروریات تعمیر و حفظان صحت، از قسم چوبی و آہنی وغیرہ کا ہمارے پاس کثیر اسٹاک موجود رہتا ہے - پانی کے پائپ (نل) کے جوڑ وغیرہ حسب ضرورت ہم سے خرید فرمائیے اسکے علاوہ ہر قسم کا اعلی درجہ کا فرنیچر - فیانسی و آرایشی ہر وقت کثیر تعداد میں مہیا رہتا ہے اور حسب فرمائش تیار بھی کیا جاتا ہے

- پس تعمیر مکان کے موقع پر اور سامان ضروریات خرید نیسے پہلے آپ ہم سے ضرور مشورہ کیجئے -

قصیدہ

نذر مور ناچیز پیش سلیمان عصر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

از

نذیم الحسن تاثیر بی۔ اے (عثمانیہ) مؤلف سلسلہ عثمانیہ

کھلا جو سلم پر جوش پر در توحید
زباں پہ آ گیا بے ساختہ لہ التحمید

ہزار شکر کہ توفیق نعت اوس نے دی
ہے ساتھ حمد کے نعت رسول کی تاکید

اگرچہ حمد خدا بھی ہے عین نعت رسول
احد میں ہو گئی احمدؐ کے میم سے تمہید

ملا طفیل سے جس کے وہ ظل سبحانی
کہ جس کے دم سے ہی تاباں کمال کی ناہید

قایم علم طلب گار سرپرستی تھے
جدید علم تھے خواہاں کہ اون کی تمہید

کہ ناگہاں ہوئی جنبش خدا کی رحمت کو
پئے عروج دکن آفتاب نو رخشید

شعاع نیر عثماں سے یہ ہوا عالم
چمک کے بن گیا ہر ذرہ ہمسر ناہید

وہ کون ؟ پرتو ذاتِ الٰہ ظل اللہ
کہ جس کے فیض سے وابستہ ہے وطن کی امید

وہ یعنی خسرو شاہاں وہ آصف ہفتم
نثار جس کے تبسم پہ صد ہلال عید

وہ ملک و قوم کا حامی پناہ ملت دیں
وہ کفر و شرک کا قامع ستمگروں کا عنید

وہ شان و شوکت اسلام کا علم بردار
سپہر حکمت و علم و کمال کا خورشید

مدبروں کے لئے مشعل ہدایت ہے
نظام ملک کی عقل رسا و رائے سدید

یہ انتظام ریاست نہیں ہے ید طولے
سیاست اوس کی ہے دنیا میں قابل تقلید

دکن میں شعبۂ تالیف و ترجمہ کا قیام
ہے بیت حکمت ماموں رشید کی تجدید

یہ جامعہ ہے کہ بغداد کا نظامیہ
کہ قرطبہ کا ہے دار العلوم قابل دید

ہوئی ہے جس میں رسالت مآب کی معراج
ولادت شہ عثماں کا ہے وہ ماہ سعید

ہمائے یمن و سعادت ہو اوس پہ چتر افگن
الٰہی اس کی سخاوت ہو زندہ جاوید

حیات نوح ملے عمر خضر عطا فرما
سدا ہو شوکت و حشمت میں ازدیاد مزید

برار سلطنت آصفی میں شامل ہو
بر آئے بارالٰہا حضور کی امید

الٰہی میری دعا میں عطا ہو وہ تاثیر
کہ سر پہ ذرہ کے قایم رہے سدا خورشید

دورِ عثمانی میں اردو ڈرامہ کی ترقی

از مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی

ادب کی ایک شاخ اردو ڈرامہ بھی ہے ترقی یافتہ زبانوں میں اس کا بہت بڑا ذخیرہ ہے اور اس میں آئے دن اضافہ ہوتا جاتا ہے یہ ڈرامے نہ صرف معاشرت کے ہر شعبے سے متعلق ہوتے ہیں بلکہ تاریخی واقعات اور قدیم افسانوں کو بھی اب ڈرامے کے طرز پر لکھا اور ان کو تھیٹر اور سینما میں پیش کیا جاتا ہے۔ غرض آج یورپ اور امریکہ میں ڈرامے کو جیسی ترقی ہو رہی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ اردو زبان میں ڈرامے کی ابتدا کے متعلق عام طور پر خیال یہ ہے کہ امانت کا اندر سبھا پہلا اردو ڈرامہ ہے جو نہ صرف لکھا گیا بلکہ اسٹیج پر اسکو تمثیل بھی کیا گیا۔ گو یہ ایک حد تک صحیح ہے۔ مگر بعض دکنی مثنویاں بھی ڈرامے کی حیثیت رکھتی ہیں اور فنی طور پر وہ پیش کی جاسکتی ہیں جس طرح اندر سبھا میں ایرانی پریوں اور دیووں کو ہند و دیو مالا کے مذاق کے سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے اسی طرح دکنی مثنویوں میں وہی ایرانی دیو و پری نظر آتے ہیں مگر یہ صحیح ہے کہ دکن میں کبھی ان کو اسٹیج پر نہیں لایا گیا۔

واجد علی شاہ غالباً وہ پہلے شخص ہیں جنکو چند انگریز مصاحبوں کے توجہ دلانے پر ڈرامے کا شوق ہوا اور خود جان عالم پیا کے نام سے کنہیا بن گئے اور قیصر باغ کے حسینوں میں گوپیاں اور پریاں ان کے شوق میں ماری ماری پھرنے لگیں اگرچہ اس طرح ابتداً شرفا نے اس میں کافی حصہ لیا مگر پھر انہوں نے چشم پوشی کر لی۔ جس کے باعث ایک خاص طبقہ اسٹیج پر قابض ہوگیا اور جن کی وجہ سے ہمارا اسٹیج اور ڈرامہ کی مٹی پلید ہو گئی۔ ان لوگوں کے لیے بعض انگریزی ڈراموں کے ترجمے ہوئے ان کو اردو کے قالب میں اس طرح ڈھالا گیا کہ ان کی اصلی خوبی مٹ گئی اور انکی جگہ بھونڈے مذاق سوقیانہ خیالات اور بے موقع گانوں نے لے لی۔ غرض کہ اردو ڈرامے ہر حیثیت سے ناقابل التفات بن گئے اور شرفا اس میں حصہ لینے سے قصداً احتراز کرنے لگے۔

ان ڈراموں کے علاوہ بعض اور ڈراموں کے ترجمہ بھی ہوئے مگر غالباً ان کو اسٹیج پر نہیں لایا گیا چنانچہ اس قسم کے بعض ڈرامے حیدرآباد میں بھی ترجمہ ہوئے ہیں مثلاً "شیگیتھ" اور "جنگ روس و جاپان" جن کے ترجمے سہراب جی کانگا اور ظفر علی خاں صاحب نے کئے۔

اردو زبان میں اچھے ڈراموں کا نہ ہونا بہت بڑی کمی تھی اردو کا چمن ڈرامے کے گل بوٹوں سے خالی تھا اور اسٹیج پر شرفا نہیں آتے تھے۔

یہ کس قدر مسرت کا مقام ہے اور حیدرآباد کس طرح فخر کرسکتا ہے کہ اعلحضرت سلطان العلوم کے عہد میمنت مہد میں جہاں دیگر علوم و فنون کو ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے وہاں زبان اردو کی سرپرستی فرما کر نہ صرف اس کی یونیورسٹی قایم فرمائی گئی بلکہ علوم و فنون کو اردو کے قالب میں لانے کے لیے دار الترجمہ بھی قایم کیا گیا ہے۔

اسی ذوق علمی اور چرچہ ادبی کا نتیجہ ہے کہ اب یہاں اردو زبان میں اچھے اچھے ڈرامے بھی مرتب ہونے لگے ہیں اور شرفا ان کو اسٹیج پر تمثیل کرتے ہیں گو یہ صحیح ہے کہ اس کی ہنوز ابتدائی حالت ہے مگر اس کے باوجود جس طرح کامیابی ان کو حاصل ہو رہی ہے وہ ایک فال نیک ہے اور خوش آئند مستقبل کا پیش خیمہ۔

اب تک جو ڈرامے اسٹیج پر پیش کیے گئے انکی تعداد پانچ ہے ان میں سے ایک تو جامعہ ملیہ دہلی کا ترجمہ کردہ ڈرامہ "فارسٹ" ([illegible]) تھا اور باقی چار ڈرامے حیدرآباد ہی میں مرتب ہوئے تھے۔

"کالج کے دن" کے نام سے ایک ڈرامہ مسٹر عزیز احمد متعلم عثمانیہ کالج نے لکھا اور اس کو عثمانیہ کالج کے لڑکوں نے اسٹیج پر پیش کیا "مغالطہ" کے نام سے ایک ڈرامہ نظام کالج کے لڑکوں نے لکھا اور اس کو اسٹیج پر پیش کیا گیا۔

باقی دو ڈرامے یعنی "ظاہر و باطن" اور "زریں رشتی" ایک نوجوان ملکی مسٹر فضل الرحمن بی اے کے مرتبہ ہیں۔ ان دونوں کو حیدرآباد کے شرفا نے اسٹیج پر پیش کیا۔ ان کی مقبولیت اور کامیابی حیدرآباد کی علمی پبلک سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان دونوں ڈراموں کی سرپرستی جس طرح یہاں کے امرا و رؤسا اور مشاہیر نے فرمائی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

کیا یہ امر قابل تعریف نہیں ہے کہ حیدرآباد میں اردو کے اچھے ڈراموں کے مرتب ہونے کی ابتدا ہو گئی ہے اور پھر شرفا اسکو تمثیل کرتے ہیں اداکاری میں ہمارے نوجوان ملک کے سپوت جس خوبی اور کمال کے ساتھ اپنی اپنی اداکاری کو انجام دیتے ہیں وہ ہر طرح امید افزا اور بہترین مستقبل کا پتہ دیتی ہے۔

اردو ڈرامے کی ترقی کے لیے ایک باقاعدہ انجمن بھی قایم ہو گئی ہے جس میں ملک کے نوجوان قابل افراد شریک ہیں انجمن کا مستقل سرمایہ بہت کچھ جمع ہو چکا ہے اور جمع کیا جا رہا ہے اس کے شرکار اعزازی طور سے کام کرتے اور کھیل کی آمدنی کو انجمن کے سرمایہ میں جمع کرتے ہیں۔ صدر الذکر دونوں ڈرامے اس انجمن کی جانب سے اسٹیج پر پیش کیے گئے تھے۔

شرکار انجمن کا ایک حصہ تو اداکاری میں

حصہ لیتا ہے اور ایک دوسرا حصہ جن میں یورپ کے اعلیٰ ڈگری یافتہ اصحاب بھی ہیں اسٹیج کے دوسرے انتظامی امور کو انجام دیتا ہے جس کے باعث ہمارا اسٹیج بھی اعلیٰ اور بہترین اسٹیجوں کے قریب قریب پہنچ گیا ہے۔

ڈراموں میں خواتین کا ہونا نہایت ضروری ہے مگر چونکہ ہنوز ہماری عورتیں اسٹیج پر نہیں آئی ہیں اس لیے یہ فریضہ بھی نوجوان طلبہ ہی کو انجام دینا ہوتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے بعض نے اپنی اداکاری کو نہایت حسن وخوبی سے ادا کیا ہے خصوصًا "نئی روشنی" کے ڈرامے میں نصاحت بیگم، اور راماجی کے اداکار نہایت ہی کامیاب رہے ہیں۔

ہمارے اداکاروں میں مرزا شکور بیگ صاحب بی اے ایل ایل بی (عثمانیہ) اور ظفر مرزا صاحب یم اے اور عبدالرب صاحب بی اے (عثمانیہ) اور مرزا اشرافت اللہ بیگ صاحب بی اے (عثمانیہ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جو اپنے اپنے مفوضہ اداکاری کو نہایت کامیابی وخوبی سے ادا کرتے ہیں۔

بہرحال اب حیدرآباد میں اردو ڈراما کی ترقی کے اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔ توقع ہے کہ اس میں خاصی کامیابی ہوگی۔ یہ بھی دور عثمانی کی ایک ادبی ترقی ہے۔

قطعۂ تاریخ

از جناب اسد اللہ حسینی صاحب قادری محافظ دفتر عدالت عالیہ

رحیم و کریم و خلیق زمن — شہ ما عزیزی تو از جان من
رعیت نثار تو از جسم جاں — شہا مدح خوانت ہمہ مرد و زن
مثال تو در دہر ناممکن است — چناں فضل داری برحمان من
بہ امن و اماں و بہ رونق ز تو — بعالم کند فخر ملک دکن
اسد پیش کردہ گرہ سال را — مبارک بود شاہ عثمان سن

۵۲......۱۳ھ

نذر عقیدت

از حیدر شکوہ صاحب شکوہ تلمیذ حضرت محمد نادر علی صاحب برتر غازی پوری

نوید لائی نسیم سحر دکن کے لیے — بہار جھوم کے آئی ہے اس چمن کے لیے
ہے قدردانی سلطاں کی چار سو شہرت — یہی ہے ایک جگہ قدر علم و فن کے لیے
ہر ایک ملک کے اہل ہنر ہیں جمع یہاں — کرم ہے شاہ کا مشہور اہل فن کے لیے
ہر ایک گاؤں میں ہیں چشمہ علوم رواں — یہاں پہ عام ہے تعلیم مرد و زن کے لیے
تدبر اور سیاست میں علم و دانش میں — نظیر آپ ہیں دنیا کی انجمن کے لیے
حقوق میں نہیں ہرگز یہاں کمی بیشی — مساوی حصہ ہے مسلم و برہمن کے لیے
میرے حضور کا وہ ہے تجمل و حشمت — کہ جن کا وصف ہے مشکل لب و دہن کے لیے
الٰہی نذر عقیدت قبول ہو میری — بنے یہ مایۂ نازش مرے سخن کے لیے
شکوہ ابر کرم ہے مرا شہ عثماں — خدا کی خاص یہ رحمت ہے اس دکن کے لیے

افسانہ

حیدرآباد کی شام

(از)
مولوی عبدالقیوم خاں صاحب باقی ایم اے (عثمانیہ)
سابق ایڈیٹر مجلہ عثمانیہ

ہمارا جنت نشان شہر گو منطقہ حارہ میں واقع ہوا ہے۔ لیکن ساحلی ممالک کے مقابلے میں یہاں کے موسم معتدل کہے جا سکتے ہیں۔ اس شہر کا بہترین موسم سرما ہے۔ اس موسم میں سردی پڑتی ہے۔ لیکن ایسی نہیں جس کے لئے اونی کوٹ پہننے اور ہر وقت انگیٹھیاں روشن رکھنے کی ضرورت ہو موسم کے لحاظ سے شام کے لطف اور خوشگواری میں بھی تغیر ہوتا رہتا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی اس کی دلفریبی میں کوئی فرق نہیں آتا حیدرآباد کے چند تاریخی اور دلچسپ مقامات پر شام ایک پیمانۂ شراب سے کم نہیں ہوتی۔ اور مجھے اپنے مختصر دوران سفر اور تفریح میں بعض شامیں ایسی نظر آئی ہیں۔ جن کی یاد دل میں اب تک تازہ ہے۔

حیرت انگیز امر ہے کہ قدرت کی تنظیم جلوہ گاہ فلک پر بظاہر یکرنگ نظر آتی ہے لیکن اسی یکرنگی میں بوقلمونی اور گوناگونی کے ایسے دلنواز جلوے نظر آتے ہیں۔ جن کو دیکھکر روح وجد کرتی ہے۔

شہر حیدرآباد وسیع ہوادار اور قدرتی مناظر سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں آفتاب کی چمک اور روشنی ہمیشہ شہر کو زندہ اور خوش دل بناتی ہے۔ دن میں ہر چیز آجاگر روشن اور بصارت افروز معلوم ہوتی ہے۔ شام کے وقت آفتاب اسی آسمان پر جس کو ہم رات دن دیکھتے ہیں۔ گوشۂ مغرب کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ لیکن اسی گوشے میں شاطرۂ قدرت دن کے تھکے ماندے مسافر کو آرام پہونچانے کے لئے ایسے ایسے رنگ برنگی سامان، فرش فروش اور پردے تیار کرتی ہے۔ جس میں شاعر کے خیال کی رنگینی اور مصور کے قلم کا بانکپن جھلکتا ہے۔ آسمان کی اس جدت طرازی کے ساتھ زمین کی دلفریب فضا سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے۔

میں ایک دن قطب شاہی بادشاہوں کی آخری آرامگاہ یعنی گنبدان قطب شاہی میں سیر و تفریح کر رہا تھا۔ اور ارادہ تھا کہ شام ہونے سے پیشتر واپس ہو جاؤں لیکن نہ معلوم قدرت کو کیا منظور تھا کہ اس نے مجھے ایک ایسے واقع میں الجھا دیا جس کی وجہ سے نہ صرف میری واپسی تاخیر سے بدل گئی۔ بلکہ مجھے قدرت کے ساتھ ایک پراسرار گفتگو کا بھی موقع ملا۔ میں تنہا تھا۔ جب شام ہو چلی تھا۔ آفتاب کی آخری کرن آسمان کی پرسکون فضا کو الوداع کہہ رہی تھی۔ کبوتروں کا شور و غوغا کم ہوگیا تھا۔ اور ابابیل ٹھنڈی ہوا میں تیرنے لگی تھیں۔ اتنے میں مجھے ایک گنبد میں سے کسی کے قہقہہ لگانے کی آواز آئی۔ میں نے اس آواز کو ایک دھوکا سمجھا۔ اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ بادل کا ایک ٹکڑا تخت شاہی کی صورت میں آسمان پر جگمگا رہا ہے۔ اس پر تاریخی ایک اور صورت ایسی بنی ہے۔ جو بادشاہ سے مشابہ ہے۔ بحیثیت مجموعی ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ایک بادشاہ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہے۔ اور اس کا شاہی تاج آسمان کی لطیف سرخیوں میں سونے کی طرح چمک رہا ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اطراف کے ابر کے ٹکڑے خادم اور پہرہ داروں کی طرح ایستادہ نظر آ رہے تھے۔ اور قلعہ گولکنڈہ شاہانہ جبروت کی ایک تاریخی تصویر کھینچ رہا تھا۔ میں نے اس گنبد کو بغور دیکھا جس پر گویا آسمانی محفل شاہی منعقد تھی۔ اور جس کے نیچے ایک حقیقی بادشاہ ابدی نیند کے خراٹے لے رہا تھا۔ ابھی اس کی طرف توجہ منعطف ہی تھی۔ کہ قہقہہ کی دوسری آواز سنائی دی۔ مجھے اس وقت ایک قسم کی بے چینی محسوس ہونے لگی۔

تنہائی کے توہمات افق خیال پر دائروں کی طرح چکر لگانے لگے۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس آواز کی حقیقت کا پتہ لگانا چاہئے۔ گنبد میں داخل ہوا۔ دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ خضر صورت ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے مراقبے میں مشغول ہیں۔ میں ان کے قریب پہنچا لیکن ادب مانع ہوا کہ ان سے متعارف ہوئے بغیر ان سے کسی قسم کا سوال کروں۔ تھوڑی دیر یونہی کھڑے رہا۔ انھوں نے گردن اٹھائی اور السلام علیکم کہا۔ میں نے جواب دیا وعلیکم السلام۔ اس کے بعد وہ خاموش ہوگئے۔ میں دیر تک اسی الجھن میں مبتلا ہوگیا۔ کہ آیا مجھ پر تاثرات کا اتنا ہجوم تو نہیں ہوگیا ہے کہ میرے خیال کی تصویر آسمان اور زمین میں منعکس اور متشکل نظر آ رہی ہے۔ سلام کرنے کے بعد وہ مجھ سے اس طرح انجان ہوگئے گویا وہ صرف اپنی دنیا میں آپ تنہا ہیں۔ حضرت کی ریش مبارک دراز تھی زلفیں جنبش ہو میں سر پر ایک لانبی ترکی ٹوپی تھی نہایت کہنہ۔ بازو ایک رومال رکھا تھا۔ جس میں کوئی شئے بندھی معلوم ہوتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ حضرت پر ایک کیفیت سی طاری ہوئی وہ جھومنے لگے اور جھومتے جھومتے ایک اور قہقہہ لگایا اسی قہقہہ میں ایک قسم کی ڈراونی آواز تھی۔ اس وقت گنبد میں سوائے دروازہ کے جہاں وہ بزرگ بیٹھے تھے۔ کہیں اور روشنی نہ تھی۔ میں نے بیاں سری ازدن کی اور حضرت کو بغور دیکھنا شروع کیا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر کی راہ لی۔ میں نے ان کا تعاقب کیا۔ اثنائے راہ میں ایک مالی سے ملاقات ہوئی میں نے اس سے دریافت کیا کہ یہ حضرت کون ہیں۔ اس نے کہا معلوم نہیں کون ہیں۔ لیکن یہ روز آتے ہیں یہاں آتے۔ اور اکثر اوقات گنبد میں بیٹھ کر کچھ لکھتے رہتے ہیں۔ میں نے دوبارہ ان کی نشست گاہ کا معائنہ کیا۔ اس جگہ سیاہی کے کچھ نشانات پائے قریب ہی سودے کا ایک ورق پایا جو حضرت کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ عجیب و غریب خط تھا۔ زبان اردو تھی۔ مضمون پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ سلاطین قطب شاہیہ کی تاریخ لکھ رہے ہیں۔ لیکن لکھنا

انداز فلسفیانہ اور رومانی ہے۔ درمیان میں ایک دو شعر بھی لکھے تھے۔ ایک شعر ڈاکٹر اقبال کا بھی تھا جو مجھے یاد ہے۔

یہ طائر مان سلطان جزے دہیم زرانے
کہ جہاں توان گرفتن بہ نوائے پاکبازے

اسلوب تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ مورخ نہ صرف فلسفی ہے۔ بلکہ شاعر بھی ہے۔ اور جذبات کا مجسم پتلا ہے۔ شاید اپنی جذبات کے تلاطم اور عمیق تفکر میں انہوں نے قہقہے لگائے ہوں۔ اور اس کا مفہوم ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ میں دوسرے تیسرے دن بھی وہاں پہنچا لیکن افسوس کہ اس نامعلوم مورخ نے وہاں کی آمد و رفت ہی ترک کر دی۔ اور اپنی انہماک آمیز تصنیف کے لئے کوئی اور جگہ تلاش کر لی۔

انہی تاثرات کے تحت میں قطب شاہی شام کو یاد کرتا اور اکثر اوقات دنیائے تصور میں ان خاموش گنبدوں کو دیکھتا ہوں جن کے اوپر ایک طرف ہوا کے سرد جھونکے سناٹے بھرتے اور فلک کے ان گنت ستارے اپنی روزانہ گردش میں مصروف رہتے ہیں۔ دوسری طرف عالم کے پرستار اپنی خاموش سرگرمیوں میں مصروف رہتے۔ اور اپنے عزیز وطن کی داستان کو دنیا کی نظر سے چھپ کر ایک والہانہ انداز میں محفوظ کرتے ہیں۔

اسی سلسلے کا ایک اور دلچسپ واقعہ نظام ساگر کا ہے۔ میں شام کے وقت پانی کے کنارے بیٹھا ستار بجا رہا تھا۔ ستار کی آواز پانی کے قریب زیادہ لطف انگیز ہوتی ہے۔ ہوا کی تموجات جن پر آواز کی روانی کا انحصار ہے پانی کی سطح پر تیزی کے ساتھ دوڑتی ہیں۔ اور ستار کی آواز کو زیادہ پر کیف بنا دیتی ہیں۔ شام کا سہانا وقت تالاب کی سطح نہایت خاموش اس آغوش مادر کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔ جس میں ہزار ہا موجیں امن و چین کی نیند سو رہی ہوں۔ دور سے بند کے وسط پر مہمان خانے کی گول عمارت ایک پہرہ دار تھی۔ جو خاموشی کے ساتھ دور تک پھیلے ہوئے تالاب اور اس کے اطراف و جوانب کی حفاظت کر رہی تھی۔ بائیں جانب ساگوان کا جنگل اور سبز پوش پہاڑیوں کا ایک آبرو سلسلہ تھا۔ جن کے بازو سے نظام ساگر کی عظیم الشان نہر کاٹی گئی ہے۔ اس وقت میں دو ایسے کناروں کے درمیان تھا۔ جن کی عظمت و شان شام کے سہانے کیف میں ایک پر اسرار حیرت کا اضافہ کر رہی تھی۔ آسمان ہر سمت شفق آلود تھا۔

اور اس کی چمک اس وقت معمول سے زیادہ تیز نظر آ رہی تھی۔ تالاب کے دو دہشت انگیز دریچے کھلے تھے۔ جس میں سے دودھ کی طرح سفید پانی بہہ رہا تھا۔ شفق کے روشن اور گلابی رنگ میں گرد و پیش کی دنیا ایک دلہن معلوم ہو رہی تھی جس نے نہا دھو کر سرخ کپڑے پہن لئے ہوں۔

مغرب کا سہانا وقت اور ملتانی کی وجد آفرین گت فضا کی ہر شے کو مستیوں سے بھر رہی تھی۔ میں ایک عالم مدہوشی میں اپنا ساز بجا رہا تھا۔ اتنے میں دوسری جانب سے مجھے ایک اور ستار کی آواز سنائی دینے لگی۔ میں نے اس واقعہ کو آواز کی بازگشت تصور کیا۔ اور خاموش ہو رہا۔ ایک اور شفق کی رنگینی غائب ہو گئی۔ دور کی پہاڑیوں پر دھندلکا سا چھا گیا۔ اور پھیلتے پھیلتے میرے گرد و پیش تک پہنچ گیا۔ ستار کی آواز تیز ہونے لگی۔

میں نے کہا پہاڑ کے اس جانب کون ستار بجا رہا ہے۔ اسی تجسس میں ادھر کا رخ کیا۔ نہر تک پہنچنے میں مجھے دیر لگ گئی۔ چودھویں شب کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ رونق افروز ہوا۔ اور پہلی نظر ہی میں فضائے عالم کو بے ہوشی پلا دی۔ ستار کی آواز ابھی تک آ رہی تھی۔ میں اس کی سریلی جھنکار پر کھچا ہوا جا رہا تھا۔ جب پہاڑ کی دوسری جانب پہنچا تو مجھے پہرہ دار نے روکا اور کہا اس وقت گھر سے نکلنے کا ہے۔ مجھے پہاڑ کے دامن میں پہونچنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ میں نے کہا میاں" غور سے سنو" اس طرف کہیں سے ستار کی آواز آ رہی ہے میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ستار کون بجا رہا ہے۔ اس نے میرے ہاتھ میں بھی ستار دیکھ کر کہا "حضرت" ستار تو خود آپ کے ہاتھ میں ہے۔" میں نے پہرہ دار سے گفتگو بے فائدہ سمجھی اور "اچھا ہم مگر دل کا خیال رکھیں گے"۔ یہ کہکر آگے کی راہ لی پانی کے قریب پہونچنے کے بعد ستار کی آواز غائب ہو گئی۔ میں نے چاروں بھاروں میں دیکھا۔ تالاب کے کنارے سے گردشیں لگائیں۔ لیکن کہیں اس کا پتہ نہ پایا۔

حیرت کے ساتھ ایک اونچے پتھر پر بیٹھ گیا اور واقعات پر غور کرنے لگا۔ اتنے میں ایک کشتی دکھائی دی۔ جو ایک مستوتانہ انداز کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔ کشتی پر نظر پڑتے ہی ستار کی آواز کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کشتی کے اور میرے درمیان تقریباً تین فرلانگ کا فاصلہ تھا۔ لیکن ستار کی آواز ایسی صاف سنائی دے رہی تھی گویا وہ میرے سامنے بج رہا ہے۔ کشتی ایک سیاہ دھبے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اندر بیٹھنے والوں کی ایک چھایا سی محسوس ہو رہی تھی۔ بکھرے ہو کر میں نے کشتی کا انتظار شروع کیا۔ اور یہ دعا کرنی شروع کی کہ خدا کرے کشتی اسی جگہ آ ٹھیرے۔ تھوڑی دیر میں وہ کنارے آ لگی میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی گیروے لباس پہنے ہوئے۔ ایک سادھو کا ہاتھ پکڑ کر اتار رہی ہے۔ لڑکی کے دوسرے ہاتھ میں ستار ہے۔ میں نے قریب ہو کر سادھو کو سلام کیا۔ اور کہا مہاراج آپ اتنی دور تھے۔ لیکن آپ کے ستار کی آواز یہاں صاف سنائی دے رہی تھی۔ میں اسے ہی سنکر آپ سے ملنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ سادھو نے کہا "یہ ستار میرے ہاتھ میری لڑکی بجاتی ہے۔" پانی کی وجہ سے شاید آواز اس قدر قریب معلوم ہوئی ہو۔ میں نے کہا "ٹھیک آپ کا فرمانا درست ہے پھر انہوں نے خود پوچھا "آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ میں نے کہا میں حیدرآباد ہی کا باشندہ ہوں سیر کی غرض سے نظام ساگر آ گیا تھا۔ کل روانہ ہو جاؤں گا۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا "ٹھیک" پھر گفتگو کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا۔

میں۔ آپ تو بنارس کے باشندے معلوم ہوتے ہیں۔

لڑکی۔ جی ہاں ہم کاشی کے رہنے والے ہیں۔

میں۔ آپ کا نام۔

لڑکی۔ میرا نام کوسلا۔ پتا جی کو ہری گوبند کہتے ہیں۔

سادھو۔ ہم ہر سال مختلف ممالک کا دورہ لگاتے ہیں اس سال حیدرآباد پہونچے۔ اس شہر کا نام بہت سنتے تھے بھگوان نے اس کا بھی درشن کرو دیا۔

میں:۔ مہاراج کہئے شہر کچھ پسند آیا۔

لڑکی ۔۔ اجی واہ کیا پوچھنا کتنا سہانا اور پیارا شہر ہے پھر ایک ناز سے کہا۔ پرسوں ہم نے (حضور نظام) کو بھی دیکھا بڑے خدا دوست سیدھے سادے نواب ہیں۔

میں:۔ ہمارے سرکار نواب ہیں۔

سادھو:۔ ہاں ہم رئیس اور نواب کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

میں:۔ مہاراج کیا آپ تعلیم یافتہ ہیں۔

سادھو:۔ میری لڑکی انگریزی کی شاعر ہے۔ میں ڈگری یافتہ ہوں۔ فلسفہ میرا مضمون ہے۔ میں نے ویدانت پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ یہاں ٹرمپل میں ایک سادھو شیو برت لال ایم۔ اے رہتے ہیں۔ ان سے ہماری

بڑی ملاقات ہے۔ وہ بھی مدراسی ہیں۔ گجراتی ہیں۔

میں:۔ کیا خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے بزرگ سے مجھے شرف ملاقات حاصل ہوا۔

سادہو:۔ اجی یہ سب بھگوان کی کرپا ہے۔ ورنہ ہم کیا ہیں اچھا اب آپ کہاں چلیں گے،

میں:۔ تھوڑی دیر کے لئے آپ کے مکان۔

سادہو:۔ کچھ غور سے، اچھا چلو۔ کوسلا بیٹی کشتی کو پتھر سے باندھ دے۔

میں نے اپنا ستار بھی لیا۔ اور سادہو کے ہمراہ چلنے لگا۔ جوں ہی ان کی نظر ستار پر پڑی۔ انھوں نے حیرت سے مجھے دیکھا اور کہا۔ "آہا تم کیا آپ بھی ستار بجاتے ہیں"۔

میں:۔ جی ہاں کچھ یونہی چھیڑ لیتا ہوں۔

کوسلا:۔ تو پھر آپ ہم کو اپنا ستار سنائیں گے۔

میں:۔ بھلا آپ نے اور مہاراج کے سامنے میں کیا بجا سکتا ہوں آپ کے ذوق اور سامان تفریح سے ظاہر ہے کہ آپ کو اس فن میں کتنا دخل ہے"۔

کوسلا:۔ صاحب آپ بھی تو ایسی جگہ ستار لے آئے ہیں۔ جہاں کی فضا موسیقی ہی موسیقی ہے۔ اس پاکیزہ جملے کو کوسلا کی زبان سے سنکر مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی دل میں غور کرنے لگا کہ آہ خدا پرستوں کی زندگی بھی کیا زندگی ہے۔ کیا آزادی کیا ذوق کیا لطف۔

میں:۔ یہ قسمت کا کرشمہ ہے کہ آپ سے ملنے کے لئے خدا نے بھی تقریب نکالی جو ہم دونوں میں مشترک ہے"۔

سادہو:۔ موسیقی ساری کائنات میں مشترک ہے۔ اس کے بعد ایک انگریزی جملہ کہا۔

(میوزک از ڈوائن اینڈ از ایوری وہیر)

میں۔ بیشک۔

اتنے میں ہم سب خیمہ کے قریب آپہونچے جس میں باپ بیٹی ٹھیرے ہوئے تھے۔ چھوٹی سی راوٹی تھی اندر صاف ستھرا فرش تھا۔ اور سامان سفر سے کچھ تہذیب اور کچھ جدید تعلیم کا رنگ جھلک رہا تھا۔ سادہو نے اندر جاکر کہا۔

"آئیے، میاں صاحب بیٹھئے"۔

کوسلا نے میرے سامنے بالائی اور کچھ میوہ لاکر رکھ دیے میں نے ذرا سے تکلف کے بعد ہر چہ از دوست میرسد نیکو است کہکر اس کو نوش کیا۔ گلوری پان تھیلی میں دبائی اور سگریٹ پینا شروع کیا۔

سادہو۔ میاں صاحب سگریٹ نہ پیا کرو یہ صحت کے لئے سخت مضر ہے اور قیمتی دے تو تمہی دیتے ہو احتمال کرو۔ ہہ

میں:۔ حضرت یہ قیمتی سگریٹ ہیں۔

سادہو:۔ یہ بات تو ایک غیر تعلیم یافتہ شخص کی طرح کہی

میں، معاف کیجئے یوں ہی زبان سے نکل گیا۔

کوسلا:۔ اچھا صاحب کچھ سنائیے نا۔

میں:۔ بہت خوب، یہ کہکر میں نے اپنا ستار لیا۔ اور دیس کی ایک گت سنائی۔ کوسلا اور سادہو کی بروقت اور فنی تعریف سے جس قدر میرا جی لگا وہ بیان سے باہر ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے اس وقت اپنا بہترین کمال دکھایا۔ جس کو سنکر سادہو اور کوسلا دونوں نے نہ صرف مسرت استعجاب کا اظہار کیا گت ختم ہوتے ہی سادہو جی نے کہا۔ "آپ نے دیس کی چیز ایک پردیسی کو سنائی"۔

میں:۔ مہاراج ہم ایک دیسی یونیورسٹی کے طالب علم ہیں۔ اللہ نے ہم کو جذبۂ حب وطن سے معمور کیا ہے۔

سادہو:۔ بیشک، ہر شخص کو محب وطن ہونا چاہئے"۔ اچھا آپ جامعہ عثمانیہ سے تعلق رکھتے ہیں"۔

کوسلا:۔ سنا ہے کہ یہاں سب تعلیم اردو میں ہوتی ہے کیا موسیقی کی بھی تعلیم دیجاتی ہے۔

میں:۔ نہیں ابھی ہم نے فنون لطیفہ کا رخ نہیں کیا ہے

سادہو:۔ کیوں فنون لطیفہ ایک زندہ دل قوم کے لئے ضروری نہیں"۔

میں:۔ مہاراج سوال تو یہ ہے کہ ہماری قوم زندہ دل کہلانے کی ہنوز قابل بھی ہوئی ہے یا نہیں۔

سادہو:۔ بھائی ہم پر مصیبتیں تو بہت نازل ہیں لیکن اس کے ساتھ ہم جب تک علم وفن میں ترقی نہ کریں گے۔ اپنے دلی مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے۔

کوسلا:۔ فنون لطیفہ تو گویا انسانی زندگی کی جام ہیں"۔

میں:۔ بائی صاحبہ اس وقت ہم کو پیٹ پالنے کی پڑی ہے۔ فنون لطیفہ کا ذوق پیٹ بھرے کا کام ہے۔

حیدرآباد میں آئے ہوئے ہم کو چند روز ہوئے۔ ہم ایک مذہبی رنگ کے آدمی ہیں۔ ہم نے صرف اپنی دلچسپی کے تحت حیدرآباد کا معائنہ کیا اور جہاں تک ہم نے غور کیا۔ اس ملک میں امن و امان آسائش اور ہر طرف ترقی کے آثار دیکھے۔

اسی سبیل کی گفتگو کے بعد حیدرآباد کی چند جغرافی اور تمدنی خوبیوں کا ذکر آیا۔ سادہو اور کوسلا نے چند باتیں عمیق مشاہدہ اور پتے کی کہیں۔

کوسلا نے کہا مجھے اس شہر میں سب سے زیادہ اس کی وسعت، ہمواری اور تفریح گاہیں پسند ہیں۔ اس نے باغ عام، حسین ساگر، حمایت ساگر فلک نما، تار اگڑہ، گولکنڈہ وغیرہ کا ذکر کیا۔ باغ عام کی خاص طور پر تعریف کی، لیکن کہا کہ یہاں اکثر مسلمان عورتیں آتی ہیں۔ اور پردہ کرنے کے باوجود بے پردگی پر مائل نظر آتی ہیں۔

سادہو نے کہا۔ یہاں کا تمدن اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ اگر یہاں، آزاد خیالی اور عملی اور اصولی روشنی میں ملک کے حالات پر غور کیا گیا۔ تو حیدرآباد دنیا کی اعلیٰ ترین سلطنتوں کے دوش بدوش ہونے کی صلاحیت پیدا کریگا۔

جب گفتگو طویل ہوگئی تو میں نے کہا۔ اگر تکلیف نہ ہو تو بائی صاحبہ سے فرمایئے کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنا ستار سنائیں۔ کوسلا نے خندہ پیشانی سے ساز ہاتھ میں لیا۔ اور تھوڑی دیر تک "بھاگ" کا الاپ بجایا۔ وہ تیکھی راگنی اور اس صاحب ذوق لڑکی کے ہاتھ سے نہایت بھلی معلوم ہورہی تھی سچ تو یہ ہے کہ میں نے اس وقت دنیا و مافیہا کو فراموش کر دیا تھا، الاپ کے بعد گت بجائی۔ ہاتھ اتنا تیار نہ تھا لیکن بجانے میں صلاحیت اور نزاکت بہت تھی میں نے جی کھولکر اس کی داد دی۔ کوسلا نے اس کو نہایت خاموشی سے سنا۔

مہاراج:۔ بھائی ہم روزانہ کشتی میں ایک مقام کی پوجا کو جاتے ہیں۔ کوسلا وہاں جاکر بھجن گاتی ہے۔ ہم اور یہ دونوں تھوڑی دیر کے بعد واپس آجاتے ہیں۔

میں:۔ مہاراج کوسلا بائی کو آپ نے موسیقی کی تعلیم کس سے دلائی۔

مہاراج:۔ خود میں نے دی ہے لیکن اتنا یہ کہتا ہے کہ موسیقی کو بغیر صحیح ماحول اور مناسب وقت کے جاذب طور پر پیش نہ کیا جائے ہر فن کا ایک خاص موضوع، ایک خاص رنگ ہے، اور خاص ماحول ہوتا ہے۔

میں:۔ اس میں کیا شک ہے۔ اچھا آپ کب تک یہاں رہیگا۔

سادہو:۔ ہم سادہو آدمی ہیں۔ بھگوان نذر و نیاز کے کچھ پیسے دے دیتا ہے۔ ہم اوسی سے اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں۔ زندگی بھر میرا اور کوسلا کا صرف ایک مقصد ہے امن کشمکش عام میں

اور سکون کی تلاش۔ ہم شہر بشہر صرف دینداروں کی زیارت کے لئے پھرتے ہیں۔ حیدرآباد میں جس کو سب سے زیادہ منبر نظام ساگر کا یہ پرسکون اور خاموش مقام نظر آیا۔ ہم نے بھی چند دن گزارے۔ جب تک جی چاہا رہے گے۔ یہاں کی صبح و شام ہمارے عبادت کے خاص اوقات ہیں۔ جب تک یہاں کی فضا ہم پر واردات قلبی نازل کرتی رہیگی۔ ہم یہاں رہیں گے۔ اس کے بعد کسی اور سمت کو نقل جائیں گے۔

ان کے دوران قیام میں دو تین مرتبہ کوسلا سے میری تنہا ملاقات بھی ہوئی۔ میں نے اس لڑکی کو اس درجہ روحانی اور لطائف پرست خیالات میں ڈوبا ہوا پایا کہ اس پر دنیا کا کوئی جادو کام نہ کر سکتا تھا۔ وہ مجھ سے ہمیشہ عالمانہ گفتگو کرتی تھی۔ اس کے انداز ملاقات میں ایک قسم کا حجاب بانکپن اور نہایت شریفانہ آزادی تھی۔ اس کی طبیعت کے اس رنگ کو دیکھکر مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ دنیا میں جس طرح ہر قسم کی تیتریاں ہوتی ہیں۔ کوسلا بھی صرف ایک تیتری ہے۔ جس کا کام رات دن فطرت کے لطائف اور صناع ازل کی یاد میں اپنے دن گزارنا تھا۔ آہ! کیا کشمکش حیات میں الجھے ہوئے انسان کو کبھی یہ زندگی نصیب ہو سکتی ہے۔

یہ دوسری شام ہے۔ جو مجھے اپنے پیارے وطن میں از بر یاد ہے۔

اس کے علاوہ تیسری شام اس شہر کی وہ مختلف مناظر ہیں۔ جو زندگی کی مختلف نوعیتوں کو پیش کرتے ہیں۔ جیسے ساگر پر صاف ستھری موٹروں کا آنا سیر کرنے والوں کی وہ خاموش چہل پہل تالاب کے اس پار ریل کا شور مچاتے ہوئے گزرنا۔ اور غروب کے وقت ہیشمان فلک کی وہ خاموش ٹمٹماہٹ جو ہر نظارے کو جذب کئے ہوئے صرف ایک جھلک اور ایک روشنی سے ہر چیز کا جواب دیتی ہے۔

شہر کے سب سے زیادہ مصروف حصہ یعنی اندرون شہر یا عابد روڈ ہے۔ ایک دفعہ میں وکٹوریہ باغ سلطان بازار میں بیٹھا ہوا موٹروں کی آمد و رفت کو گن رہا تھا۔ گھڑی ہاتھ میں تھی۔ ایک منٹ میں (۵۲) موٹریں ایک دوسرے کے سامنے سے گزریں۔ ایسے مصروف کی شام حیات انسانی کے مشغول نظارے پیش کرتی اور انہماک کے عجیب و غریب واقعات دکھاتی ہے۔

اس کے برخلاف ہمارے شہر کے وہ خاموش حصے جن کے متعلق یہ مصرع موزوں ثابت ہوتا ہے ؎

مشاہدے پڑھ رہے ہیں جنکے ویرانے ابھی‘

ایک خاموش ناظر کے لئے باطنی تصورات کا ایک دفتر کھولدیتے ہیں۔ اور جب آفتاب ان پتھریلی چٹانوں کے پیچھے غروب ہوتا ہے۔ جن کے سروں پر بڑے بڑے پتھروں کا ایک عجیب غریب قدرتی مینار بنا ہوا رہتا ہے۔ گویا قدرت نے صحرانشینوں کو تاج پہنا دیا ہے۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی سہانی شام کی صبح بھی اتنی ہی دلکش اور دلفریب ہوگی۔ اور ہماری سرزمین کی لطائف پرست دنیا کو اس کی تاریخ کی طرح ایسے ایسے واقعات کی یاد دلائیگی جس کا خیال مدتوں تک ان کے دماغ میں چکر لگاتا رہے گا۔ فقط

السلام علیکم - ایڈیٹر صاحب اخبار "صبح دکن"

خط آپ کا آیا حال معلوم ہوا - اسکے پڑھنے سے خوشی ہوئی، اور از حد خوشی ہوئی یعنے بے حد خوشی ہوئی اور کافی سے زیادہ خوشی ہوئی گویا بہت خوشی ہوئی -

دیگر احوال یہ ہے کہ یہاں پر الحمد للہ تا دم تحریر ہذا اس لئے خیریت ہے کہ اب خدا کے فضل سے بارش ختم ہوگئی ورنہ جناب یہ حال تھا کہ لوگ مذہب اسلام کی تعلیمات سے سرتابی کرتے تھے اور سیلاب سے ہم ڈرتے تھے اور مذہب اسلام سے سرتابی یوں ہو رہی ہے کہ ہندوستان میں نصاب تعلیم ہی ایسا رکھا گیا ہے جس سے فارغ ہونے کے بعد انسان اور اوسکی بیوی کے دماغ میں بیت المقدس کے عیوض یورپ بس جاتا ہے اسی لئے تو مسلمان اپنی تمام تاریخی قومی اور مذہبی روایات عادات اور علامتوں کو کالجوں اور یونیورسٹیوں ہی میں بھول کر باہر نکل آتا ہے اور نکل آتی ہے، ورنہ آپ ہی ثابت کر دیجئے کہ گزشتہ زمانے میں اگر مسلمانوں نے ڈنر کھا کر یا ٹی پارٹی میں جاکر ایم، سی، سی، کا میاچ دیکھکر مس زبیدہ کا ناچ دیکھکر اخبار "بمبئی ٹائمس" پڑھکر اگر کوئی شہر فتح کیا ہو؟ یعنی ہر قوم اپنی ہی دینی اور قومی خصوصیات کو زندہ اور بحال رکھکر دنیا میں زندہ اور فاتح رہ سکتی ہے ورنہ آپ ہی بتائیے کہ یہ جو انگریز بھائی، جرمن بھائی، اور فرانسیسی بھائی اپنے ہندوستان میں آکر مقیم ہو چکے ہیں - یہ ہندوستان کا پاجامہ انگرکھا اور عمامہ کیوں استعمال نہیں کرتے، ارے بھئی آخر کار ہندوستانی لباس میں ایسا کہاں کا طاعون اور انفلوانزا گھس گیا ہے جو آج تک ہم نے ایک جرمنی کو بھی دھوتی پہنے نہیں دیکھا؟ مگر وہ تو ہندوستانی باشندے کم علم غلط تربیت پائے ہوئے اور مرعوب دماغ ہوتے ہیں - اسی لئے تو جو مسلمان ہندوستان سے حج کو جاتا ہے وہ واپس آتا ہے تو عربوں کا لباس چند دن ہندوستان میں پہنے پھرتا ہے اور جو ہندوستانی مسلمان یورپ سے واپس آتا ہے وہ داڑھی کے ساتھ مونچھیں ضرور منڈاتا ہے پھر استرا بھی دیسی لکڑی کے لال دستہ کا استعمال نہیں کرتا بلکہ سیفٹی ریزر خریدتا ہے اور وغیرہ، تو اب آپنے ان لیا ہوگا کہ ہندوستانی قدرتاً مرعوب فطرت اور مرعوب دماغ ہوتا ہے وہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہندوستانی پروفیسر اور ماسٹر جب اپنے کالج جاتے ہیں تو لارڈ برکن ہیڈ اور لائیڈ جارج صاحبان کی صورت بنا کر - مگر جن لوگوں کے دماغ میں بلندی او پختگی آجاتی ہے وہ اپنے قومی ملکی اور تاریخی لباس اور قاعدہ کو کسی حال میں ترک نہیں کرتے مثلاً گاندھی صاحب اور پنڈت مدن موہن مالوی اور مسٹر پٹیل کو لے لیجئے کہ انہیں سارے ہندوستانی پروفیسر دنیا کا بہت بڑا آدمی تو مانتے ہیں مگر یہ نہیں - سوچتے کہ یہ تینوں بڑے آدمی یورپ بھر میں ہندوستانی دھوتی اور کھادی کا لباس ہی پہنے پھرتے ہیں آخر کیوں؟

بس تو اگر ہو سکے تو ایک آدھ دن عثمانیہ یونیورسٹی والوں سے ہماری طرف سے کہنا کہ ملکی وضع قطع کے خانہ دل پر اس طرح لکھ دیجئے کہ خود بھی اوس دن دیسی لباس پہنکر طلبہ کو ملکی چیزوں سے متاثر کیجئے، غرض قصہ کوتاہ کہ یہاں الحمد للہ بارش ختم ہونے سے ہر طرح خیریت ہے مگر ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بعد ہی ملیریا کے پھیل جانے کی امید بھی ہے، ہاں ملیریا کیوں پھیلتا ہے؟ اس لئے پھیلتا ہے کہ ہندوستانی اپنی دولت کو اپنی صحت کی حفاظت پر خرچ کرنیکے عیوض سینما - گھوڑدوڑ، فیشنی لباس - اور مغربی "فرنیچر" یا "بمبئی ٹائمس" کے معمے حل کرنے پر صرف کرتے ہیں پھر یہ ملیریا میں وفات نہ پائیں تو کیا قلب کی حرکت بند ہونے سے انتقال فرما سکتے ہیں لہذا ہم بھی ملیریا کے خوف سے ڈر رہے ہیں اور ہمارے دس روپیہ ماہوار حیثیت کے بال بچے بھی ڈر رہے ہیں آپ بھی دعا کیجئے گا کہ ہم لوگ کم از کم پچاس سال کے لئے بیماریوں اور حوادث سے محفوظ ہو جائیں -

اچھا یہ تو بتائیے کہ آپ کی طرف کے باشندے ہر سال یورپ سے کتنا مال خریدتے ہیں؟ اگر خریدتے ہیں بھئی خریدنے دیجئے وہ تو جب خود بخود قرضدار اور مفلس ہو جائیں گے تو اندازہ ہو جائے گا کہ دوسروں کی تقلید کا نتیجہ کیا ہوتا ہے -؟ ہاں ہاں مسلمانوں اور عورتوں کو بھی حق طلب کرنے دیجئے انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ جن قدیم اصول سے مسلمانوں نے عہد گزشتہ میں ترقی کی تھی بغیر اون اصول کو زندہ کئے نہ یہ عورتیں صحیح معنی میں کامیاب ہوں گی نہ ہماری بیوی کامیاب ہو سکتی ہیں وہ تو یورپ کا ایک بخار ہے جو ہر غلام قوم پر چڑھا ہوا ہے اسی لئے تو لوگ رفتہ رفتہ حکیم نابینا صاحب دہلوی کے علاج کے محتاج ہوتے جا رہے ہیں - اگر یورپ کا علاج کامیاب ہوتا تو نزع کے وقت ہندوستانی لوگ حکیم نابینا صاحب اور حکیم بھورے میاں صاحب کا شربت بنفشہ اور کھانسی کی گولیاں کیوں استعمال کرتے، ارے بھئی حد ہوگئی اس ڈاکٹری علاج کی ناکامی کی کہ ہندوستان میں آج لاکھوں دنداں ساز پیدا ہوگئے یعنی جس ڈاکٹر کو دیکھئے ذرا سے دانت کے درد پر دنداں شکن بنا ہوا ہے - بس جس ڈاکٹر سے کہئے کہ دانت میں درد ہے فوراً دانت نکال ڈالتا ہے گویا ڈاکٹری فیض و برکت سے آج ہندوستان میں لاکھوں آدمی کاٹ کھانے اور دشمن کو بھنبوڑ کھانے سے محروم ہو چکے ہیں ادھر بغیر لائسنس کے بندوق رکھنا پہلے ہی جرم ثابت ہو چکا ہے نتیجہ یہ کہ ہندوستانی ہتیاروں سے بھی محروم اور دانتوں سے بھی محروم اسی لئے دام لیلا کے میلوں میں خوب مار کھا رہے ہیں

بے شک سچ فرمایا آپ نے کہ عدالتی مقدمہ بازی نے مسلمانوں کو بالکل ہی تباہ کردیا ہے یہاں تک کہ مسلمان والدین اپنے بیٹے [illegible] پاس ہونے پر خوش ہوتا ہے، خیر یہاں کے لڑکوں کو عورتوں کی طرح آراستہ ہونے کا شوق ہے تو ہونے دیجئے یہ پوری نوجوان نسل نواس گھروں میں کام کریگی اور محنت جفاکشی اور بہادری کے میدان میں آپ ایسے بوڑھے کھانس کھانس کر مقابلے کریں گے بھلا غریب ہندوستانی ایک سو روپیہ کا افسر ہو کر شام کو ایک ولایتی کتا لیکر ٹینس کھیلنے جائیگا اوس کے گھر میں فراغت اور خوشحالی کے عوض سیٹھ رام پرشاد کے قرض کا سود ہی سود نظر آئیگا کہ نہیں ہاں یہاں اب سب کام اردو میں ہوتا ہے مگر معلوم نہیں کہ لوگ انگریزی میں زیادہ دستخط کرتے ہیں یا اردو میں خیر ہماری بیوی کی رائے تو یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے نئی نسل کو یورپی عادتوں سے محفوظ رکھئے ہاں اگر آپ لوگ امریکہ کے باشندوں کے برابر دولت مند ہوجائیں۔ تو پھر آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ ہوائی

جہازوں پر اڑتے پھریں۔ قصہ کوتاہ یہاں پر خیریت ہے اور خیر و عافیت آپ کی عندگاہ خداوند کریم سے شب و روز نیک مطلوب دیگر احوال یہ ہے کہ آپ نے خسرو دکن کی سالگرہ منائی ہے تو اسکی شیرنی عرف مٹھائی ہمارے بچوں کے لئے بھی بھیجدیجئے گا تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کے کام آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ اس اخبار نے جو خدمت انجام دے رہے ہیں خدا کرے اوس کے صلہ میں آپ کو اور ہماری بیوی کو جاگیر مل جائے جو کوئی اہم بات تو نہیں ہے مگر ہاں یہ بھی سچ ہے کہ دفتر کے مسلمان ملازم ایسے مواقع پر ذرا رکاوٹ پیدا کرتے ہیں حالانکہ فائدہ پہونچانے میں انگریز دوسرے انگریز کی بڑی مدد کرتا ہے تو خیر بھائی اللہ تعالے ہی پر بھروسہ کرکے حیدرآبادی بھائیوں کے ملکی حقوق کی تائید کرتے رہئے تاکہ ہر شعبہ میں حیدرآبادی بھائی ہی برسر اقتدار ہوں صرف ریلوے اسٹیشن پر غیر حیدرآبادی ملازم چھوڑ دیجیے گا تاکہ اگر ہم کبھی خدانخواستہ

اوس طرف آئیں تو ہمیں کوئی روک نہ سکے اور ویسے ہم تمام مسلمانوں کی رعایا ہیں۔ ہاں ہاں مسلمان معانقہ بھی کرتا ہے تو انگریزوں کی طرح زور سے جھٹکا دیکر مگر جماعت سے نماز پڑھنے مسجد میں بزرگوں کی جگہ دہنے چلا ہے ہی جاتے ہیں اس سیاست ناشناسی کا کیا علاج تو قصہ کوتاہ اس سالگرہ پر مبارکباد قبول کیجئے اور اوس طرف کے تمام خورد و کلاں کو درجہ بدرجہ سلام دعا پہونچادیجئے اور ایک ٹین خالص گھی کا اور کچھ اشرفیاں ہمارے نام پارسل کردیجئے اگر آسانی سے ملسکیں تو ورنہ حد ادب۔

(البقیہ صفحہ ۹۷) پالکیوں میں اور بعض ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں اور بہانڈ باجہ کیساتھ عیدگاہ کیطرف روانہ ہوتے ہیں اس منظر سے اسلامی شان و شوکت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے امرا اور با مقدور ملکی تیاریاں کرتے ہیں اور دوسرے معززین اور خوش باش لوگ اپنے گھروں کی آرائش کرتے ہیں، عطر کی خوشبو ہوا کے ساتھ اڑتی پھرتی ہے، ہندو مسلمان جواہرات زیب تن کئے مختلف رنگوں کے لباس پہنے اور مختلف قسم کے دستاریں اور شملے اوڑھے اور جلوس لگائے ہوئے شہر کے ہر ہر گوشہ میں نظر آتے ہیں۔
جب توپیں سر ہوجاتیں اور عیدگاہ میں نماز ختم ہوگئی تو لوگ اپنے گھروں کو واپس ہوگئے امیروں نے شاہی دربار میں شرکت کی تیاریاں شروع کردیں اور ملازم اپنے حاکموں کے پاس حاضر ہونے لگے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ دہلی کی بربادی کے بعد اسلامی شان و شوکت اور اقتدار کو دیکھنے کیلئے میں زندہ رہا۔
میں بھی جامہ اور نیمہ پہنکر، دستار اور جلوس لگائے ہوئے محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ سڑکوں پر ہر طرف لوگوں کا ہجوم تھا بڑی مشکل سے بگی خانہ تک پہونچا اور پالکی سے اترکر "خلوت" تک گیا اور پھر تھوڑی دیر اور اک مالا سے گذرا خلوت کے اندر اور باہر کا میدان امیروں جاگیرداروں، منصبداروں عہدہ داروں اور معززوں سے بھرپور تھا، خلوت پرانی وضع کے فرنیچر سے آراستہ کی گئی اور جگہ جگہ آئینے نفیس ہانڈیاں لگی ہوئی تھیں بیرونی دالان میں چبوترے کے کٹہرے پر مسند بچھی ہوئی تھی

دوسرے دالان میں ریشمی شامیانہ نصب تھا اور اسکے نیچے چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دلچسپ نظاروں کا لطف اٹھاتا ہوا میں روشن بنگلہ تک پہونچا۔ حضور پرنور لباس بدلنے کیلئے باہر رونق افروز ہوئے، تہنیت یار الدولہ وکیل ریاست مستحکم جنگ مصاحب، اکرام جنگ مہتمم خزانہ صرف خاص و مرزا بیگ موجود تھے اور نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر کی طرف سے سعد الدین اور فصیح الدین ہاتھ باندھے ہوئے حاضر تھے انہوں نے مجھے تعجب کی نظروں سے دیکھا اور کہنے لگے کہ حضور کا کوئی علم بھی اپنے وقار و اعزاز میں کمی ہوجانے کے خوف سے دربار میں شرکت نہیں کرتا اسکے جواب میں میں نے کہا "میں اس وجہ سے آرہا ہوں کہ مجھے شاہی دربار کے سلسلہ میں مختلف تقریبات کے دیکھنے کی بڑی خواہش ہے۔ اس موقع پر ہرکارہ نے آواز دی کہ دیوان صاحب ہاتھی پر اماری میں بیٹھے ہوئے آگئے ہیں اور امیر کبیر بھی پالکی میں محل کے دروازہ پر حاضر ہیں، ہرکاروں نے اسی طریقہ سے پیشکار، وقار الامرا اور دوسرے امیروں کی آمد کا اعلان کیا۔
مستحکم جنگ اور سعد الدین نے ہز ہائینس کا لباس تبدیل کیا اور خاص لباس پہنا کر رنگ محلا سے ہوتے ہوئے خلوت میں لے آئے اور وہاں ایک شور ہوا کہ حضور پرنور تشریف فرما ہوچکے ہیں قریب اور دور کے تمام لوگ فوراً اٹھکر کھڑے ہوگئے۔ اعلیحضرت شاہی مسند پر بیٹھ گئے

میں ایک گوشہ میں کھڑے ہوئے یہ منظر دیکھ رہا تھا سب سے پہلے نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر آداب گاہ تک آئے اور چوبداروں نے "ہوشیار نگاہ دار" پکارنا شروع کیا۔ اس موقع پر نواب امیر کبیر، محتشم الدولہ اور بشیر الدولہ نے جھک کر سات سلام کئے، اس کے بعد چوبدار نے نواب امیر کبیر کا ہاتھ پکڑ کر چبوترے تک لاکر چھوڑ دیا اور یہاں سلام کرنے کے بعد امیر کبیر حضور پرنور کے سامنے بیٹھ گئے، محتشم الدولہ مورچھل لئے ہوئے اعلیحضرت کے پیچھے بیٹھے۔
اسکے بعد دیوان نے جھک کر سلام کیا اور اسی طرح ہر امیر آکر آداب بجالاتا رہا۔ چوبدار امیروں کے ہاتھ پکڑ کر آداب گاہ سے خلوت کے آخری حصہ تک لاتے اور وہ نذر پیش کرنے جاتے تھے اور پھر انہیں شاہی مسند کے سامنے بیٹھا دیا جاتا تھا داب گاہ سے خلوت تک درباریوں کا ہجوم تھا اور چوبدار چھڑیوں کا استعمال کرکے سب کو خاموش رکھتے تھے اسی دھا دھاری میں ایک دو لکڑیاں بعض امرا کے کہاں پڑگئیں اسی دربار میں اکرام الدولہ کے کپڑے پھٹ گئے اور وزیر اعظم کے فرزند نواب لائق علی خان پر بھی لکڑیوں کی مار پڑی اسکے بعد سرکاری محکمہ جات کی طرف سے نذریں تھیلیاں پیش کی گئیں، وزیر اعظم نے سرکاری ملازمین، عدالت مالگزاری فوج اور پولس کی طرف سے بڑی بڑی تھیلیاں پیش کیں اور اسی طرح ہر امیر نے اپنی جاگیر کی طرف سے نذریں پیش کیں اب درباریوں کی باری آئی اور انہوں نے نذریں پیش کرنے میں جلدی کرنا شروع کیا اور پھر چوبدار لکڑیاں لیکر سب کو خاموش کرنے لگے تمام نذریں پیش ہونے کے بعد تہنیت یار الدولہ نے مسند کے تکیوں کا سرہانہ اور یہ اس بات کی نشانی تھی کہ دربار برخواست ہوگیا امرا اور شرفا اٹھے اور آداب گاہ سے سلام کرکے رخصت ہوئے۔ اعلیحضرت روشن بنگلہ کو تشریف لے گئے اور یہاں مصاحبوں نے نذریں گذرانیں۔ عید کا دربار اس طرح ختم ہوا۔ اور میں یہ نظارے دیکھکر خوشی خوشی گھر واپس ہوا۔

ایک ڈالر اور ستیاسی سنٹ ہی کل کائنات تھی ان میں سے ساٹھ سنٹ پینی کی شکل میں تھے۔ یہ ایک دو دو پینی کرکے۔ بنئے، قصاب، اور ترکاری والے سے سودا سلف لیتے وقت بہ وقت تکرار اس طرح بچائے گئے تھے کہ اگر کسی پر اس قسم کی معمولی باتوں سے پیدا ہونیوالے الزام بخل کو عائد کیا جائے تو وہ شرم سے پانی پانی ہو جائے۔ ڈیلا نے پھر تین مرتبہ ان کو گنا۔ ایک ڈالر اور ستیاسی سنٹ اور دوسرے دن سالگرہ کی عید تھی۔ اب اس کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ چھوٹے سے پرانے صوفہ پر لیٹ جائے۔ اور آہ و زاری کرے پس ڈیلا نے یہی کیا کیونکہ یہ امر اس اخلاقی نتیجہ کی طرف رہنمائی کرتا تھا کہ زندگی نام ہے۔ صرف رنج و راحت کے مجموعہ کا جس میں مصیبتوں ہی کا پلہ ہمیشہ جھکا رہتا ہے

اس عرصہ میں جہاں غربت کی اس ملکہ نے خیال ہی خیال میں اپنے گھر کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ہفتہ وار آٹھ ڈالر پر ایک مکان کی ایک منزل رہنے کے لئے تھی جو اسباب آرائش سے بھی مزین تھی۔ باہر کے دروازہ پر خطوط کا صندوق آویزاں تھا۔ جس میں کبھی کوئی خط پڑا ہوا نظر نہیں آیا اور ساتھ ہی ایک برقی گھنٹی بھی موجود تھی جسے بجانے کا کبھی انسانی ہاتھ کو کوئی موقع نہیں ملا۔ اس سے ملحق ایک تختی بھی لٹک رہی تھی جس پر یہ نام درج تھا مسٹر جیمس ڈلنگھام ینگ، ڈلنگھام کا یہ نام اسی مبارک زمانہ سے ہوا میں لٹک رہا تھا جب کہ ان کی آمدنی (۳۰) ڈالر ہفتہ وار تھی۔ اب جو آمدنی گھٹ کر صرف (۲۰) ڈالر ہفتہ وار رہ گئی تو ڈلنگھام کے حروف بھی مدہم پڑنے لگے۔ جیسے وہ بڑی سنجیدگی سے اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ گھٹتے گھٹتے ہیں غیرت و وضع داری کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتر جانا چاہیئے۔ جب کبھی مسٹر ڈلنگھام ینگ باہر سے گھر میں تشریف لاتے تو مختصر طور پر جم پکارے جاتے اور یہ بڑی عمدہ بات دیکھی گئی کہ ان کی بیگم جن کا تعارف ہم نے ابھی ڈیلا کے نام سے کرا دیا ہے ہر وقت ان کے لئے آغوش محبت کھلا رکھتی۔

ڈیلا نے اپنا رونا دھونا ختم کیا اور پوڈر کی چھینٹڑا لے کر اپنے گالوں سنوارنے میں مصروف ہوگئی اس کے اسی دریچہ کے پاس کھڑے ہوکر پیچھے صحن میں چار دیواری میں چلنے والی بلی پر ایک سرسری نظر ڈالی کل سالگرہ کی عید ہے اس کے پاس ایک ڈالر ستیاسی سنٹ ہیں جن سے وہ اپنے پیارے جم کے لئے ایک تحفہ لانا چاہتی ہے وہ پینی پینی جوڑتی رہی اور کئی مہینوں کی کوشش کا یہی نتیجہ تھا (۲۰) ڈالر ہفتہ وار کی آمدنی کچھ زیادہ نہ تھی۔ مصارف اس کے اندازہ سے زیادہ تھے۔ خرچ کا ہمیشہ یہی حال ہے پیارے جم کے تحفہ کی خریدی کے لئے صرف ایک ڈالر ستیاسی سنٹ ہیں بہت سے خوشگوار گھنٹے اس نے اسی تجویز میں صرف کر دیئے کہ جم کے لئے کوئی عمدہ چیز لانا چاہیئے۔ کوئی چیز ایسی ہو جو نفیس ہو نایاب بھی ہو اور جو جم کے شایانِ شان بھی ہو۔

کمرہ کی کھڑکیوں کے درمیان ایک محرابدار آئینہ تھا۔ آٹھ ڈالر کرایہ کی منزل میں شائد آپ نے ایسا محرابدار آئینہ دیکھا ہو۔ اس آئینہ سے جس میں عکس ذرا عجلت میں دیکھائی دیتا ہو۔ دبلا، پتلا اور ہوشیار آدمی دیکھ کر اپنی شکل وصورت کا اندازہ صحیح کرسکتا تھا۔ نازک بدن ڈیلا اس کو دیکھنے کی کافی مہارت حاصل کر چکی تھی دفعتہً وہ دریچہ کے پاس سے ہٹی اور آئینہ کے روبرو کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھیں بڑی تیزی سے چمک رہی تھیں۔ مگر کوئی بیس سکنڈ کے اندر اس کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ بڑی پھرتی کیساتھ اس نے اپنا جوڑا کھولکر اپنے سر کے تمام بالوں کو ان کی پوری لنبائی کے ساتھ لٹکتے چھوڑ دیا جیمس ڈلنگھام ینگ کی ملکیت میں دو چیزیں ایسی تھیں جن کے وجہ پر دونوں میاں بیوی غیر معمولی فخر کا اظہار کرتے تھے ایک تو خود جم کی سونے کی گھڑی تھی جو اسے آباد اجداد سے ورثہ میں ملی تھی۔ اور دوسرے ڈیلا کے سر کے بال اگر ملکہ صبا اس منزل مکان کے ہوادار برآمدہ میں مقیم ہوتی تو ڈیلا اپنے لمبے بالوں کو سکھانے کے لئے دریچہ سے باہر اس لئے چھوڑتی کہ ملکہ اسے دیکھکر اپنے زر وجواہر سے نفرت کرنے لگے۔ یا اگر سلیمان بادشاہ اپنے تمام خزانوں کے ساتھ جم کے دولت کدہ پر دربانی کی خدمت پر مامور ہوتا تو دروازہ سے گذرنے کے موقع پر جم اپنی گھڑی نکال کر اس لئے دیکھتا کہ سلیمان بادشاہ اس گھڑیکو دیکھکر مارے حسد کے اپنی داڑھی نوچنے لگے۔

الغرض ڈیلا کے خوبصورت بال عالم انتشار میں ادھرادھر جھکنے اور لہرانے لگے جیسے ایشیائی رنگ پانی کا ایک آبشار گر رہا ہو۔ وہ گھٹنوں سے نیچے اتر کر قدبوسی کے لئے بیتاب تھے۔ گویا بہ حیثیت مجموعی وہ اس کے جسم پر ایک لبادہ بن گئے تھے۔ پھر اس نے یکایک ان بالوں کو بڑی تیزی اور بدحواسی کے ساتھ یکجا سمیٹ لیا اور کچھ دیر کپکپانے کے بعد خاموش کھڑی ہوگئی یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے کچھ آنسو کی زسرخ فرش پر گر پڑے۔

اس نے اپنی پرانی بھوری جاکٹ اور ٹوپی پہنی اور جب سیڑھیوں سے اتر کر وہ سڑک کی طرف چلی ہے تو اس کے گون کا دامن لہرا رہا تھا۔ اور آنکھوں میں قطرات اشک نمایاں تھے۔ چلتے چلتے وہ ایک مقام پر ٹھیر گئی جہاں یہ تختہ لگا ہوا تھا "میڈم سافرین یہاں ہر قسم کے بال خریدے جاتے ہیں" جلدی جلدی سیڑھیوں پر چڑھکر کچھ دیر ڈیلا نے دم لیا۔ میڈم سافرین تنومند بہت سرخ وسفید اور خشک مزاج واقع ہوئی تھی ڈیلا نے کہا کیا آپ میرے بال خریدیں گے" ہاں میں بال خریدتی ہوں" اپنی ٹوپی اتار لو اور مجھے ایک نظر دیکھنے دو بھورے بالوں کی آبشار پھر ایک مرتبہ لہریں مارنے لگی۔ اپنے مشتاق ہاتھوں میں بالوں کو لیکر میڈم نے کہا "بیس ڈالر"

"مجھے جلدی دیجئے"

اس کے بعد پورے دو گھنٹہ آ نا فا نا مسرت کے پر لگائے چپ چاپ اڑ گئے۔ اب وہ جم کے تحفہ کے واسطے دوکانوں میں کسی عمدہ چیز کی تلاش کر رہی تھی۔ آخر کار اس کو ایک چیز ملی۔ جو حقیقت میں گویا جم ہی کے لئے بنائی گئی تھی۔ اور باوجود چھان بین کے اس سے بہتر کوئی چیز کسی دوکان ہی میں نہ تھی۔ وہ پلاٹینم کا ایک حلقہ دار توڑا تھا۔ نہایت سادہ اور ثقہ نمونہ پر اس کی قدر و قیمت جیسا کہ عمدہ چیزوں کا خاصہ ہوا کرتا ہے۔ اس کی قابل تعریف گھڑت پر نہیں بلکہ صرف اس کی قدر ذاتی پر منحصر تھی وہ توڑا گھڑی کے بھی شان شایاں تھا۔ ڈیلا نے دیکھتے ہی خیال کیا کہ "یہ جم ہی کے واسطے موزوں ہے" قیمت اور ثقاہت ہر دو اعتبار سے اس نے ۲۱ ڈالر اس کی قیمت ادا کی اور باقی ۸۷ سنٹ کے ساتھ گھر چلتی بنی اب اس توڑے کے ساتھ جم خواہ وہ کسی جماعت میں کیوں نہ ہو وقت دیکھنے کا برابر مشتاق رہے گا۔ اگرچہ اس کی گھڑی قیمتی تھی لیکن اس چمڑے کی پٹی کو جسے وہ بجائے توڑے کے استعمال کرتا تھا اکثر اوقات حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔

ڈیلا جب گھر پہونچی تو اس کی کامیابی کا کیف اپنی عجیب حرکت کی پر استدلال تاویلات کی تلاش میں غائب ہونے لگا۔ وہ بالوں میں گھونگر ڈالنے والے اوزار کو اٹھا لائی اور انتہائی جوش محبت میں پیدا ہونے والی خرابی کی اصلاح میں معروف ہو گئی کوئی چالیس منٹ کے اندر ہی اندر اس کا سر چھوٹے چھوٹے گھونگروں سے بھر گیا۔ اس حالت میں وہ ایسی ہی معلوم ہوتی تھی جیسے کسی مدرسہ کا ایک لڑکا وہ بہت دیر تک آئینہ میں اپنے عکس پر بڑی نکتہ چینی کی نظر ڈالتی رہی۔

اس نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا:۔ اگر پہلی مرتبہ دیکھکر مارے غصہ کے جم مجھے کہا نہ لے تو دوسری نظر میں وہ ضرور کہے گا کہ میں جزیرہ کونی کی ناچنے والی لڑکی معلوم ہوتی ہوں۔ لیکن افسوس میں کیا کر سکتی تھی۔ ایک ڈالر ۸۷ سنٹ تو کسی کام ہی کے تھے۔ ٹھیک سات بجے کافی تیار ہو گئی گرم چولھے پر توا چڑھا ہوا تھا گویا تھوڑی دیر میں گوشت تلا جائے گا۔ جم نے کبھی دیر نہ کی۔ ڈیلا نے توڑے کو اپنے ہاتھ میں دبا لئے دروازہ کے قریب ایک میز کے کنارے پر بیٹھی ہوئی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اس کی آمد پر ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ اس نے سب سے پہلے سیڑھی پر جم کے پاؤں کی آہٹ سنی

اور منٹ اس کے چہرے کا رنگ ایک لمحہ کے لئے فق ہو گیا۔ جم عادۃً معمولی گھریلو باتوں پر خاموشی کے ساتھ دعائیں مانگنے کی عادی تھی چنانچہ اس وقت بھی وہ بڑ بڑانے لگی "اے خدا تو اس کے ذہن میں یہ بات ڈالدے کہ اب بھی میں اسی طرح خوبصورت ہوں"۔

جم دروازہ کے اندر آیا اور اس کو بند کر لیا وہ بہت خاموش اور نحیف نظر آتا تھا۔ وہ دستانے بھی نہیں خرید سکتا تھا اسے نئے اور کوٹ کی بھی ضرورت تھی۔ جم گھر کے اندر جب داخل ہوا تو ایک ناقابل محسوس حرکت کیساتھ جیسے شکاری کتا بھیڑ کی بو پاکر بے حس و حرکت ہوتا ہے وہ ڈیلا کو بغور دیکھنے لگا اور اس کے اس دیکھنے میں کچھ نہ کچھ مفہوم ضرور تھا جسے وہ سمجھ نہ سکی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ وہ کچھ غصہ نہ تھا اور نہ تعجب، نہ اظہار ناپسندیدگی ہی تھا، اور نہ کوئی احساس خطر اور نہ ان جذبات میں کوئی ایسا ہی جذبہ تھا جسکی روک تھام کے لئے ڈیلا اچھی طرح مسلح ہو چکی تھی وہ اس کے چہرہ پر اچھی طرح نظر جمائے گھور رہا تھا ایک عجیب کیفیت کے ساتھ ڈیلا میز کے اطراف سے چکر کاٹ کر اس کے پاس گئی اور کہا:۔ پیارے جم تم اس طرح مجھے نہ دیکھو میں نے اپنے سر کے بال کاٹ کر فروخت کر دیئے ہیں کیونکہ میں سالگرہ میں میں تمہیں تحفہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی وہ پھر دوبارہ نکل آئیں گے تمہیں اس کا کچھ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ کیوں؟ میں ایسا کرنے پر مجبور تھی اور بڑے بال حیرت انگیز تیزی کے ساتھ نکل ہی آتے ہیں۔ جم عید مبارک کہو اور خوش ہو جاؤ۔ تم نے دیکھا کیسا نفیس اور کیسا خوب صورت تحفہ تمہارے واسطے لائی ہوں"

"کیا تم اپنے بال کاٹ دیئے۔ جم نے اصرار سے پوچھا جیسے باوجود ذہنی تکلیف و کشمکش کے اصل حقیقت سے اب بھی بے خبر ہے"۔

"بال کاٹے بھی اور بیچ بھی دئے۔ کیا تم مجھے اس طرح پسند نہیں کرتے؟ میں بغیر اپنے بالوں کے وہی ہوں نا کیوں؟

جم نے تعجب سے ادھر ادھر کمرہ پر ایک نظر ڈالی "تم کہتے ہو تمہارے بال جا چکے" جم نے یہ جملہ بڑے بھولے پن سے کہا۔ ڈیلا نے کہا "تمہیں اس کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔ میں کہتی ہوں وہ بیچ دیئے گئے یہ سالگرہ کی شام ہے۔ اب مجھ پر رحم کرو کیونکہ وہ صرف تمہاری

خاطر کاٹے گئے۔ غالباً میرے بالوں کے جانے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ اسی محبت کے ساتھ گنے جاتی تھی۔

جو محبت مجھے تمہارے ساتھ ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ جم کیا توے پر گوشت ڈالدوں۔ جم سلسلہ خیالات کے خواب سے اب ایک دم جاگ اٹھا۔ اور ڈیلا کو اپنے گلے سے لگا لیا یہ تقاضائے عقلمندی کچھ دیر کے لئے ہمیں اب غیر ضروری مضمون ہی طرف متوجہ ہو جانا چاہیئے

ہفتہ میں آٹھ ڈالر یا سال بھر میں ایک لاکھ دونوں میں کیا فرق ہے؟ ایک ریاضی داں یا ایک ظریف تمہیں اس کا بالکل غلط جواب دیگا جم نے اپنے اورکوٹ کی جیب سے ایک کٹا نکالکر میز پر ڈالدیا۔ میرے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ پڑنا اگر بال کاٹے جائیں یا منڈائے جائیں یہ شکل و صورت میں کوئی تبدیلی ہو۔ تو میری نظر میں اپنی بیوی کی عزت و قدر میں کوئی کمی ہو سکتی ہے اور نہ ایسی باتوں کا کچھ خیال کرتا ہوں۔ لیکن اگر تم اس کٹے کو کھول کر دیکھو گی تو تمہیں معلوم ہوگا کہ میں پہلے پہل تھوڑی دیر تک کیوں بدحواس رہا۔ ڈیلا کی خوبصورت انگلیاں اور نازک ناخنوں نے ڈوری کھولکر کاغذ پھاڑا اسکا فرط انبساط سے وہ چیخ اٹھی۔ لیکن افسوس کے یہ جذبہ مسرت لنوانی گریہ و بکا اور غش آور آنسوؤں کے سلسلہ سے اس قدر تبدیل ہوا کہ ڈیلا کے مالک کو آرام پہنچانے والی تمام قوتوں سے آراستہ ہونے کی فوری ضرورت لاحق ہو گئی۔ کیونکہ یہ کنگھیاں تھیں۔ سر کے بالوں میں دائیں بائیں اور پیچھے لگائے جانے والی کنگھیوں کا مجموعہ تھا جسے ڈیلا اپنی کھڑکی میں سے شارع عام پر چلنے والی عورتوں کو پہنتے دیکھ کر عرصہ سے اسکی آرزومند ہو گئی تھی۔ بڑی خوبصورت کنگھیاں تھیں تابیل کی کھال سے بنی ہوئی جن کے کنارے جواہرات سے مزین تھے اور جو اس کے لئے ہوئے بالوں پر خوب کھلتے۔ وہ جانتی تھی کہ یہ کنگھیاں بہت قیمتی ہیں اور باوجود انہیں پانے کی ذرا بھی امید نہ رکھنے کے وہ دل سے ان کی تمنائی تھی۔ اور ایسی چیز اگرچہ اب اس کے قبضہ میں تھی لیکن افسوس وہ گھونگر والے بال جن کی زینت کا یہ سامان تھا سر ہی سے غائب تھے۔ لیکن ان کنگھیوں کو اس نے سینہ سے لگایا اور تھوڑی دیر بعد نیم باز آنکھوں سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے

اس نے کہا "جم میرے بال بہت جلد نکلا کرتے ہیں"۔ اور پھر ڈیلا ایک بلی کی طرح اچھل کر بولی "آہا! ہا" کیونکہ جم نے اس کے لائے ہوئے خوبصورت تحفہ کو ابتک نہیں دیکھا تھا اس نے بڑے اشتیاق سے اس تحفہ

محافظ حسن ومقوی دماغ
نظام ویجیٹبل ہیر آئیل
NIZAM
VEGETABLE HAIR OIL
خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کا پسندیدہ
جس کے لیبل و ٹریڈ مارک کو شبیہ مبارک سے مزین کرنیکی
اجازت عطا فرمائی گئی۔ جو اپنی بے مثل خوبیوں و بے نظیر
فوائد کی بنا پر ہر گھر میں اپنا گھر بنا لیا ہے۔
ولایت کے اعلیٰ تیلوں کے مقابلہ میں سو فیصدی کامیاب
انگلش پاکنگ
ہر جگہ ملتا ہے
قیمت فی بوتل
تیار کردہ
دکن ہیر آئیل کمپنی حیدرآباد دکن
DECCAN HAIR OIL CO.
HYDERABAD. DN.
دکن ہیر آئیل
یہ وہی بے مثل تیل ہے
جس کی شہرت۔ جس کا چرچا۔ جس کا ذکر
ہر ملک میں۔ ہر گھر میں۔ ہر زبان پر ہے
(اور)
جس کے مفید ہونے سے دنیا کی کوئی ہستی انکار نہیں کر سکتی
ہر جگہ ملتا ہے
انگلش پیکنگ
دکن ہیر آئیل
قیمت چودہ آنہ
کمپنی حیدرآباد دکن
ملک کا افضل ترین غازہ
"گولڈن اسنو"
انگلش پیکنگ
جسکی
قیمت ۱۲ ار
مسلم الثبوت خوبیاں ہی ہیں
چہرہ کے کیل۔ مہاسے۔ جھریاں وغیرہ چند ہی دنوں کے استعمال سے
بالکل ناپید ہو جاتے ہیں اور چہرہ پر ملاحت ملائمت و تازگی پیدا
ہوتی ہے۔ اصلاح کے بعد حفاظت جلد کیلئے اور دھوپ کی
زد سے چہرہ کی سیاہی دور کرنے کے لئے صرف اسی اسنو کو
استعمال فرمائیے۔

روزنامہ صبح دکن
فلمی دنیا کی سیر کیجئے
دار السلطنت حیدرآباد میں ناطق و خاموش فلم کے ہر دلعزیز مراکز
امرا اور روسا کی تفریح کیلئے حیدرآباد کا خوبصورت ترین بولتا فلم گھر
ویسٹنڈ ٹاکیز (معظم جاہی روڈ)
ہر دلعزیز و مقبول عام بولتا فلم گھر
رائل ٹاکیز
سکندرآباد کا شاہی سینما
ریولی ٹاکیز
ناطق فلموں سے جب آپ اکتا جائیں تو
قسمت سینما (پتلی باؤلی)
تشریف لائے جہاں ہندوستان کی مشہور فلم کمپنیوں کے شاہکار
خاموش فلم دکھائے جاتے ہیں جنکی دلچسپی ناطق فلم سے کم نہیں۔
کرشنا اوپرا ہاوس عنقریب ٹاکیز ہونے والا ہے
صرف خاموش فلموں سے اگر آپکو دلچسپی ہے تو
کرشنا اوپرا ہاوس
المشتہر پروپرائٹر
باہتمام محمد وحید الحق صوفی منیجر صبح دکن
اعظیم اسٹیم پریس میں چھپکر دفتر اخبار صبح دکن فضل گنج سے شائع ہوا